ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۲۴ / جنوری ۱۹۹۵ء

☆ اسلامی انقلاب کے طریقِ کار پر ایک مذاکرہ کی روداد
☆ افغانستان کے موجودہ بحران کی "اَن کہی" کہانی
☆ کراچی میں دہشت گردی کی وارداتوں میں انتظامیہ ملوث ہے؟

حدیثِ امروز

چٹ منگنی ' پٹ بیاہ

امریکہ کے وزیر دفاع جناب ولیم پیری پاکستان تشریف لائے تو ہماری حکومت نے ان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کئے لیکن ان کے دورے سے ہمیں حاصل کیا ہوا؟۔ ۱۹۸۴ء میں قائم کئے گئے ایک مشاورتی گروپ کے تن مردہ میں اس مسیحا نے جان ڈال دی اور بس اللہ اللہ خیر صلا۔ یہ مشاورتی گروپ پریسلر ترمیم کی تلوار کے ہمارے سر پر لٹک جانے سے پہلے تو برا بھلا کوئی کردار ادا کرتا رہا تھا۔ ہماری دفاعی ضروریات کا جائزہ لے کر امریکہ بہادر سے مطلوبہ تعاون کی سفارش کرنا اس کا کام تھا لیکن سرد جنگ کے خاتمے یعنی سوویت یونین کی تحلیل اور پریسلر ترمیم کی عملداری کے بعد یہ گروپ عضو معطل ہو کر رہ گیا۔ اب نئی زندگی پا کر بھی وہ ہمارے کس کام کا؟ مزا تو تب تھا کہ پریسلر ترمیم سے ہمیں اسی طرح استثنا دیا جاتا جیسے پہلے دیا جاتا رہا۔ سو اس کے تو وعدۂ فردا کا بھی ہمیں مستحق نہیں سمجھا گیا البتہ "خاموش سفارت کاری" نے کوئی نیا مرحلہ طے کر لیا ہو تو اللہ جانے یا پھر زمہ داران حکومت کو معلوم ہو گا۔

ولیم پیری صاحب کے دورۂ پاکستان کے نتائج کا موازنہ بھارت میں ان کی کارگزاری سے کیا جائے تو یہ چشم کشا حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہاں تو معاملات کا جائزہ لینے سے بات آگے نہ بڑھی تھی' وہاں چٹ منگنی' پٹ بیاہ کا سماں بندھ گیا۔ ۴۵ منٹ کے مذاکرات کے نتیجے میں دونوں ملک دفاعی معاہدے کے بندھن میں بندھ گئے ہیں جس کے مشمولات کی شرح کی جائے تو بات دور جا نکلتی ہے۔ دفاعی معاہدے کے علاوہ اہم ترین اور معنی خیز واقعہ یہ بھی ہوا ہے کہ بھارت مسئلہ کشمیر میں امریکہ کی ثالثی پر (بظاہر) رضامند ہو گیا ہے جسے قبل ازیں اس نے کبھی کوئی حل طلب مسئلہ تک نہیں مانا تھا۔ یہ سب کچھ ولیم پیری صاحب کے دورے کا اعجاز نہیں بلکہ ایک بڑے منصوبے کی تمہید ہے جس پر معاہدے کے دونوں فریقوں نے طویل غور و خوض کیا اور اپنی اپنی ضروریات کے تحت تراش خراش کے بعد تیار کیا ہے۔ سابق سپرپاور اور اب دنیا کی واحد سپریم پاور امریکہ کی حکمت عملی میں تو دور اندیشی جزو لازم کی حیثیت رکھتی ہے جس میں حکمرانوں کے آنے جانے سے کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوتا' بھارت میں نرسمہا راؤ کی کمزور حکومت بھی اتنی مستحکم ضرور ہے کہ اندرون ملک چومکھی سیاسی لڑائی لڑتے ہوئے بھی ملکی مفادات کی نگرانی کا حق ادا کر سکے۔ برعکس اس کے ہم جرم ضعیفی کی سزا بھگت رہے ہیں جس کا سب سے بڑا سبب سیاسی عدم استحکام ہے۔ جس ملک کے سیاستدانوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے گریبانوں تک پہنچ گئے ہوں اور جہاں جوتیوں میں دال بٹ رہی ہو' اسے عزت و وقار کا کوئی مقام حاصل ہو تو کیسے!۔

بایں ہمہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ بھارت کی خوشنودی کے حصول کے ساتھ ساتھ امریکہ ہمارے آنسو بھی پونچھنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ بھارت سے اس کے تعلق کی بنیاد تو یہود و ہنود کی فطری و ازلی ملی بھگت ہے' پاکستان کی ضرورت سے بھی امریکہ بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ ایک حد تک ایران کے عزائم کے آگے بند باندھنے کے لئے اور دراصل چین کی نگرانی کی غرض سے وہ ہمارے تعاون کا بھی طلب گار ہے۔ چنانچہ ہمیں بھی بہلانے کی کوشش ضرور ہو گی چاہے کھلونے دے کر ہی کی جائے۔ امریکہ کو یہ بھی معلوم ہے کہ روس چند ہی برسوں میں پھر اس کا مدمقابل بن کر کھڑا ہو سکتا ہے اور عین ممکن ہے کہ اس

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

قیمت: ۶ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الھدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۲۱۷-۲۱۸)

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

وہ تم سے پوچھتے ہیں شہر حرام میں جنگ کے بارے میں' کہہ دو اس میں جنگ بڑی سنگین بات ہے' تاہم اللہ کے راستے سے روکنا' اور اس کا کفر کرنا' اور مسجد حرام سے روکنا' اور اس کے لوگوں کو اس سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک اس جنگ سے بھی زیادہ سنگین بات ہے۔ اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑا گناہ ہے'

(کہ غزوۂ بدر سے قریباً دو ماہ قبل رجب ۲ھ میں جب آٹھ افراد پر مشتمل مسلمانوں کے ایک دستے کے ہاتھوں جسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے اور ان کے تجارتی راستے کو مخدوش بنا کر گویا ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کی غرض سے وادی نخلہ کی طرف بھیجا تھا' قریش مکہ کا ایک آدمی مارا گیا تو چونکہ یہ قتل ایسے مشتبہ وقت میں ہوا کہ مسلمان یہ خیال کر رہے تھے کہ شعبان کا مہینہ شروع ہو چکا ہے حالانکہ وہ رجب کی آخری تاریخ تھی جو کہ محترم مہینوں میں شامل ہے تو اس پر قریش نے اور ان کے ساتھ درپردہ ملے ہوئے مدینہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کا بازار گرم کر دیا اور سخت اعتراضات شروع کر دیئے کہ یہ اچھے اللہ والے اور پارسا لوگ ہیں جو ماہ حرام میں بھی خونریزی سے نہیں چوکتے! انہی اعتراضات کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے کہ یہ درست ہے کہ ماہ حرام میں جنگ کرنا یا خونریزی کے مرتکب ہونا نہایت سنگین بات اور ناپسندیدہ حرکت ہے لیکن اس سے کہیں بڑے جرائم وہ ہیں جن کا ارتکاب مشرکین مکہ کرتے چلے آئے ہیں۔ وہ کس منہ سے شہر حرام کی حرمت کی پامالی پر اعتراض کرتے ہیں جبکہ ان کا اپنا یہ حال ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں' اس اللہ کی ناشکری اور کفر کرتے ہیں جس کے گھر کی برکت سے انہیں روزی ہی ملتی عزت و حیثیت کا مقام بھی حاصل ہے' انہوں نے مسلمانوں پر بیت اللہ اور مسجد حرام کے دروازے بند کر رکھے ہیں اور یہی نہیں بلکہ انہوں نے اللہ کے ان بندوں کو جو اس مسجد حرام کے سب سے زیادہ حقدار ہیں' یہاں سے ہجرت پر مجبور کر دیا ہے!!-- ان کے یہ تمام جرائم اللہ کی نگاہ میں کہیں زیادہ سنگین اور قابل مذمت ہیں--- مشرکین مکہ کو شاید یہ معلوم نہیں کہ ان کا یہ رویہ کہ وہ لوگوں کو دین حق سے پھیرنے کے لئے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے اور ان پر قافیہ حیات تنگ کرتے ہیں اللہ کے نزدیک شہر حرام میں قتل و خونریزی سے کہیں بڑا گناہ ہے!)

اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے' اگر وہ اس کی استطاعت رکھتے ہوں'

(کہ اے مسلمانو' کفار و مشرکین تمہیں دین حق سے پھیرنے اور بچلانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے۔ جب تک تم حق کے راستے پر ڈٹے ہوئے ہو ہمیشہ تمہارے خلاف جنگ و جدال کرتے رہیں گے۔ ان حالات میں اگر مسلمانوں کے ہاتھوں ایک کافر غلط فہمی سے شہر حرام میں مارا گیا تو آخر کون سی قیامت ٹوٹ پڑی؟)

اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے اور مرجائے حالت کفر ہی میں تو یہی لوگ ہیں جن کے اعمال اکارت گئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی' اور یہی لوگ جہنم میں پڑنے والے ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

(البتہ تم میں سے اگر کسی کی ہمت جواب دے گئی اور وہ کفار کے جور و ستم کی تاب نہ لاتے ہوئے اللہ کے دین سے پھر گیا اور پھر مرتے دم تک وہ کفر کی حالت میں رہا تو وہ جان لے کہ اس کی تمام نیکیاں برباد ہو جائیں گی' وہ دنیا اور آخرت کی سعادتوں سے محروم ہو جائے گا اور تا ابد جہنم کی آگ میں جھلسنا اس کا مقدر ہو گا!)

البتہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے' اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

(ہاں' وہ جوانمرد جو ان تمام مصائب و مشکلات کے باوجود اپنے ایمان پر جمے رہیں گے اور ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ کے کٹھن امتحانات میں سے سرخرو ہو کر نکلیں گے وہ فی الواقع اس بات کے اہل ہیں کہ اپنے رب کی رحمت کے امیدوار ہوں۔ ایسے وفاداروں کے لئے اللہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی!)

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۴ — شمارہ ۴

[illegible] جنوری ۱۹۹۵ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تحریکِ خلافت پاکستان
۴ اے مزنگ روڈ۔ لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۶ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۳ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ " "

2
21/1/95

اداریہ

فرقہ واریت کے زہر کا تریاق

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ۱۱/ جنوری کو قرآن آڈیٹوریم میں جو شاندار اجتماع منعقد ہوا' اس کا احوال اور پس منظر زیر نظر شمارے میں شامل ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی تیسری لیکن اہمیت کے اعتبار سے اولین حیثیت رکھنے والی نشست ثابت ہوئی جس میں بات کچھ آگے بڑھی ہے۔ امیر تنظیم اسلامی' ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ دینی جماعتیں اور مذہبی گروہ متحد ہو جائیں جو انتخابی سیاست میں ملوث ہیں اور اسی کے ذریعے ملک میں اسلام کے لئے راستہ ہموار کرنے کی امید رکھتے ہیں تاکہ اسلام پسند ووٹ تقسیم نہ ہو اور دوسری طرف وہ جماعتیں اور گروپ اگر یک جان نہ ہو سکیں تو کم از کم ایک مشترکہ پلیٹ فارم پر ضرور جمع ہو جائیں جو اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ مروجہ انتخابی سیاست کے ذریعے نظام کی تبدیلی اور نفاذ اسلام کا کوئی امکان نہیں جو درحقیقت کسی انقلابی عمل ہی کا محتاج ہے۔ موخر الذکر جماعتوں نے اپنی قوت مجتمع نہ کی تو وہ رفتہ رفتہ غیر موثر ہوتی چلی جائیں گی یا پھر اپنی ناتوانی کے باعث داخلی و خارجی دشمنوں کے ہاتھوں منہ کی کھائیں گی جو ملک خداداد پاکستان کو لادینیت و اباحیت بلکہ عریاں الحاد کی طرف لے جانا چاہتے ہیں جبکہ انتخابی سیاست کی دلدل میں دھنسی ہوئی جماعتیں اس معرکہ میں انہیں کوئی کمک پہنچانے کے قابل نہ رہیں گی اس لئے کہ اپنا اعتبار کھو چکی ہوں گی۔

اپنی اسی دھن میں امیر تنظیم اسلامی نے خود اپنا پلیٹ فارم ان زعماء کو پیش کیا جن کی اجتماعیت تنظیم اسلامی کی طرح کسی نہ کسی نہج کے انقلابی طریقہ کار ہی کی علمبردار ہے۔ قبل ازیں دو نشستوں میں مولانا محمد اکرم اعوان سمیت چار حضرات یہ وضاحت فرما چکے ہیں کہ ان کے طریقہ کار کے خدوخال کیا ہیں اور ان سب میں زیادہ فعال اجتماعیت' تنظیم الاخوان کی قیادت کے تنظیم اسلامی کے ساتھ افہام و تفہیم کے مراحل طے ہونا بھی شروع ہوئے ہیں تاہم متذکرہ بالا آخری نشست میں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کی تحریک منہاج القرآن اور ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کے ادارے طریق کار کی حد تک تنظیم اسلامی سے نسبتاً زیادہ قریب محسوس ہوئے اور امید کی جانی چاہئے کہ ان کے درمیان ربط و ارتباط میں روز افزوں اضافہ ہو گا جن میں حسن اتفاق سے قرب مکانی بھی پایا جاتا ہے۔

اس پرہجوم اور بارونق محفل میں جناب طاہر القادری نے ڈاکٹر اسرار احمد کو خراج تحسین پیش کیا کہ انہوں نے ایک ایسا نیک کام شروع کیا ہے جس کا کسی کو خیال نہ آیا تھا کیونکہ کوئی بھی جماعت اپنا پلیٹ فارم دوسروں کو یوں غیر مشروط طور پر پیش نہیں کیا کرتی اور پھر تجویز پیش کی کہ اس گفتگو کا اگلا مرحلہ اس نوع کی عمومی مجلسوں میں نہیں بلکہ زعماء کی "گول میز کانفرنس" میں طے ہونا چاہئے تاکہ تبادلہ خیال کے کھلے مواقع کے علاوہ اس امر کا امکان بھی ممکن الحصول رہے کہ ایک طریق کار پر اتفاق رائے حاصل ہو جائے اور پھر سب توانائیاں ایک ہی راستے کو کھولنے اور کھلا رکھنے پر صرف ہوں۔ ایک قدم اور بڑھا کر علامہ طاہر القادری نے خیال ظاہر کیا کہ اس گول میز کانفرنس میں ان حضرات کو بھی تشریف لانے کی زحمت دی جائے جو انتخابی بھول بھلیوں میں گم ہیں۔ ان کا نقطہ نظر خود ان کی زبانی سمجھ کر ہی ہم اس قابل ہوں گے کہ غلط فہمیوں کی وہ چلمن اٹھا کر انہیں دکھا دیں جن سے ان کی امیدیں لگی بیٹھی ہیں۔ پردہ اٹھے گا تو وہ خود ہی دیکھ لیں گے کہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا' جو سنا افسانہ تھا۔ کیا عجب وہ بھی انتخاب کے بجائے انقلاب ہی کے راستے پر آ جائیں۔ طے ہوا ہے کہ یہ دوسری مشق علامہ طاہر القادری کر کے دیکھیں گے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عزم کے پورا ہونے کا موقع جلد از جلد پیدا کر دے کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور اس حال میں گزر رہا ہے کہ سیکولرازم اور مادر پدر آزادی کے علمبردار چڑھے آ رہے ہیں اور رجال دین کو ہر میدان سے پسپائی اختیار کرنی پڑ رہی ہے۔ مسلکی اختلافات اور فرقہ واریت نے علماء کے وقار کو خاک میں ملا کر رکھ

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

عوام مصطفیٰؐ کے نام پر جانیں نچھاور کرنے کے لئے اب بھی تیار ہیں

ڈاکٹروں کا یہ "اتحادِ ثلاثہ" انقلاب اسلامی کا پیش خیمہ ثابت ہوسکتا ہے

اسلامی انقلاب کے طریقہ کار کے بنیادی فلسفہ پر تینوں راہنمائوں میں اتفاق پایا جاتا ہے۔

نثار احمد ملک

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام اسلامی انقلاب کے طریقہ کار پر منعقد ہونے والے سیمنار کی رپورٹ

تنظیم اسلامی پاکستان نے گزشتہ سال اکتوبر میں اپنے انیسویں سالانہ اجتماع کے موقع پر' جبکہ ملک بھر سے اس کے وابستگان کی بڑی تعداد جمع تھی' اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے دوسری جماعتوں کے زعماء کو "اسلامی انقلاب کا طریق کار" کے موضوع پر دعوت خطاب دی تھی۔ اگرچہ اس موقع پر انہی جماعتوں کے اکابرین کو دعوت دی گئی تھی جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس ملک میں اسلامی انقلاب کے برپا ہونے کا خواب انتخابات کے ذریعہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ تنظیم اسلامی نے بہت سے دوسرے اکابرین کی طرح پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین اور ادارہ منہاج القرآن کے بانی سربراہ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو بھی دعوت دی تھی لیکن وہ اپنے ایک بیرونی سفر کی وجہ سے' جو کہ پہلے سے طے تھا' ہماری دعوت پر تشریف نہ لا سکے۔ یہ بات اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان میں پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کی تحریک سے وابستگی رکھنے والے ایک بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ اس عددی اہمیت سے قطع نظر' ان کا انتخابی سیاست کی دلدل سے ایک ہی تجربہ کے بعد نکل آنا بھی ایک منفرد اور اہم واقعہ ہے۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر تنظیم اسلامی کی قیادت نے ان کی زبان سے اسلامی انقلاب کی حکمت عملی پر اظہار خیال کا ایک موقع تنظیم ہی کے پلیٹ فارم سے فراہم کیا جس کے لئے گیارہ جنوری کو بعد نماز مغرب ایک بھرپور نشست کا اہتمام کیا گیا۔

گیارہ جنوری ۱۹۹۵ء کو بعد نماز مغرب ہمارے اس پروگرام کا آغاز حسب معمول اللہ کے بابرکت

مولانا سید عطاء المحسن بخاری خطاب فرماتے ہوئے۔ امیر تنظیم اسلامی ہمہ تن گوش ہیں۔

کلام سے ہوا۔ قاری مجیب الرحمٰن صاحب نے سورۂ فتح کے آخری رکوع کی تلاوت فرمائی۔ تلاوت کلام پاک کے بعد امیر تنظیم اسلامی پاکستان و داعی تحریک خلافت پاکستان محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے آج کی اس تقریب کا مختصراً پس منظر بیان کیا۔ انہوں نے بتایا کہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے قیام (۱۹۷۲ء) کے بعد سے منعقد ہونے والی "قرآنی کانفرنسوں" میں انہوں نے تمام مکاتب فکر کے ۱۹۷۲ء کو مدعو کیا۔ بعد ازاں جب قرآنی کانفرنسوں کو محاضرات قرآنی کا عنوان دیا گیا' تب بھی اس روایت کو جاری رکھا گیا۔ امیر محترم مدظلہ نے یاد دلایا کہ میں نے ۱۹۸۵ء کے تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع سے قبل ایک مختصر تحریر میں اپنا نقطۂ نظر ملک اور بیرون ملک کے سو سے زائد علماء کے سامنے رکھا جو فرائض دینی کے تصور کے بارے میں تھا اور انہیں دعوت دی کہ ہمارے اس تصور میں اگر کہیں کجی ہے تو ہمارے سالانہ اجتماع میں ہی میری رہنمائی کریں اور اگر صحیح ہے تو تائید فرمائیں۔ اس موقع پر بھی غالباً چالیس کے قریب حضرات تشریف لائے تھے جن میں تائید کرنے والے زعماء بھی تھے' اختلاف کا اظہار کرنے والے بھی اور طنز و استہزا کے تیر چلانے والے بھی۔ امیر محترم مدظلہ نے مہمان مقررین اور سامعین و ناظرین کی خدمت میں چند گزارشات بھی پیش کیں' جن کو اس نشست کے دوران ملحوظ خاطر رکھنا ضروری تھا اور بتایا کہ مذکورہ نشست میں بھی تنظیم اسلامی کے رفقاء اور میں خود بھی سامع تھا اور آج بھی ایسا ہی ہوگا کیونکہ

مقصد اسلامی انقلاب کے طریق کار کو سمجھنا ہے' اس پر بحث و تکرار کے بجائے اچھی باتوں کو اپنانے کی فکر کی جائے گی۔

امیر محترم کے اس تعارفی خطاب کے بعد تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ جناب ڈاکٹر عبدالخالق نے جو سٹیج سیکرٹری تھے' مجلس احرار اسلام کے سربراہ اور امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزند ارجمند مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ کو دعوت خطاب دی۔ سید عطاء المحسن بخاری نے اپنی گفتگو کا آغاز سیرت صحابہ سے دو واقعات کے ذریعے کیا۔ ایک واقعہ کا تعلق حضرت عمرؓ کے شجرۂ رضوان کٹانے سے تھا اور دوسرے واقعہ کا تعلق بھی حضرت عمرؓ کے حوالے سے اطاعت رسول کی اہمیت سے تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اقامت دین کے طریق کار کے لئے یہ دو واقعات بنیاد مہیا کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اقامت دین اسوۂ رسول پر چل کر ہی ممکن ہے۔ محترم شاہ صاحب نے انتخابات کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اپنے اس موقف کی تائید میں انہوں نے خلفائے راشدین میں سے خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے لئے نامزدگی یا چناؤ کو بطور دلیل پیش کیا۔ بہرحال شاہ صاحب کا موقف یہ تھا کہ اسلام میں مغربی جمہوریت کی طرز پر آزادی رائے کا تصور نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری رائے آزاد نہیں بلکہ پابند ہے جبکہ مغربی جمہوریت میں ہندو' سکھ' پارسی' یہودی' عیسائی اور قادیانی سب کو ووٹ کی پرچی کے ذریعے اپنی رائے کے اظہار کی آزادی ہے۔ گویا یہ سب مل کر اپنے نمائندے کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے۔

سید عطاء المحسن بخاری صاحب نے طریق کار پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ انقلاب کا پہلا مرحلہ دعوت الی الخیر ہے۔ اس دعوت الی الخیر سے امر بالمعروف کی طاقت حاصل ہوتی ہے اور یہ امر بالمعروف کی طاقت نہی عن المنکر کی طاقت کے حصول کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ مولانا سید عطاء المحسن بخاری نے اس بات پر تو زور دیا کہ تبدیلی اسوۂ رسول پر چل کر ہی آئے گی لیکن وہ اسوۂ کیا ہے' اس کی وضاحت وہ چنداں نہ کر سکے۔ کہا جا سکتا ہے کہ سید عطاء المحسن بخاری چونکہ عملاً اقامت دین کی جدوجہد میں منظم انداز میں مصروف نہیں ہیں' لہٰذا اس راستے کے سنگ ہائے میل سے بھی واقف نہیں ہیں۔ اس منزل تک پہنچنے کے

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب اپنی خطابت کا جادو جگاتے ہوئے۔

لئے قافلے کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے' ہر موڑ کے کیا تقاضے ہیں اور ان تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کیا حکمت عملی بدلتے ہوئے حالات واقعات میں اختیار کی جا سکتی ہے' اس باب میں حضرت شاہ صاحب کے خیالات سے سامعین محروم ہی رہے۔ وہ مجلس احرار اسلام کے سربراہ ہیں جس کے پیش نظر غالباً اقامت دین یا اسلامی انقلاب کی منزل بطور خاص نہیں ہے البتہ تحریک ختم نبوت کے حوالے سے ان کی خدمات قابل تحسین ہیں۔ آج بھی وہ اس محاذ پر علمی اور عملی طور پر نبرد آزما ہیں۔ بہرحال اقامت دین کی جدوجہد کے تقاضے ان کے اس کام سے جدا ہیں۔ ہم محترم شاہ صاحب کی تقریر کو ایک اچھا وعظ ضرور قرار دے سکتے ہیں' جس سے دلوں میں نور توحید اور سنت رسول کے چراغ روشن ہو جاتے ہیں۔

سید عطاء المحسن بخاری کے خطاب کے بعد ہمارے اگلے مقرر ممتاز عالم دین ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک تھے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی گفتگو کے آغاز میں حضرت نعمان بن بشیرؓ سے مروی' مسند احمد کی ایک

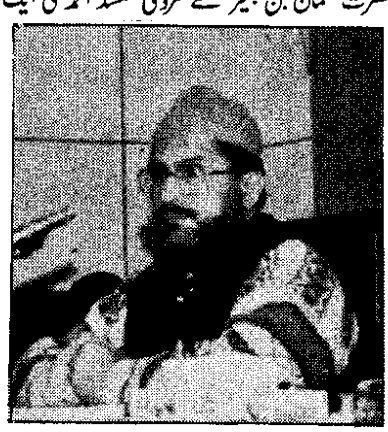

علامہ ڈاکٹر طاہر القادری خطاب فرما رہے ہیں۔

حدیث کا حوالہ دیا' جس میں ملت اسلامیہ کی تاریخ کے پانچ ادوار بیان ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس وقت محکومیت کے دور سے نکل رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس صدی میں خلافت کے نقیب اول علامہ اقبال ہیں۔ انہوں نے اس وقت امید کا پیغام دیا جب امت مسلمہ زوال کی انتہا کو چھو رہی تھی۔ محترم ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک نے اس موضوع پر علامہ اقبال کے کلام سے بہت سے اشعار سنا کر ہمارے لہو کو گرما دیا۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے نوید خلافت سناتے ہوئے کہا کہ خلافت کا سورج بھی ایسے ہی طلوع ہونا ہے جیسے ہر روز صبح طلوع ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اس کی خبر الصادق والمصدوقؐ نے دی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس سورج کے طلوع ہونے میں ہم میں سے کس کی کیا قربانی ہے۔

محترم ملک صاحب نے طریق کار پر گفتگو کرتے ہوئے امیر محترم مدظلہ کے سیرت سے ماخوذ مراحل انقلاب کی تائید کی۔ اگرچہ انہوں نے تفصیل میں جا کر کچھ چیزوں کا اضافہ بھی کیا لیکن بنیادی مراحل کی بہرحال تائید کی۔ انہوں نے کہا کہ طریق کار کے حوالے سے ہمیں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی حکمت عملی سے بھی استفادہ کرنا چاہئے۔ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کو گزشتہ چار سو سال کی سب سے بڑی شخصیت قرار دیا۔ حضرت مجدد کے طریق کار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ انہوں نے انتظامیہ سے بھی تعلق استوار رکھا اور ان کی اصلاح فرمائی' فوج سے بھی مراسم برقرار رکھے اور وہاں بھی دین کی جوت جگائی' اس کے ساتھ ساتھ علماء اور بدکے ہوئے صوفیاء کو بھی قرآنی تصوف کی طرف راغب

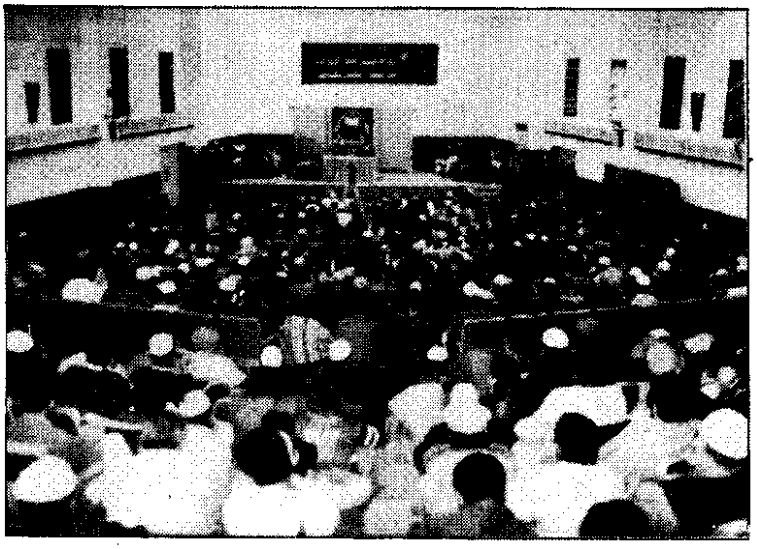

قرآن آڈیٹوریم میں حاضرین کا ایک منظر

کیا۔ یہ سارے کام کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے عامتہ الناس کی اصلاح بھی فرمائی۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کے لئے اٹھنے والوں کی ایک مشکل یہ رہی ہے کہ انہوں نے اقتدار کے حصول کی بات کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسوۂ مجدد الف ثانی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہمیں اس کی نفی کرنی چاہئے تاکہ عوام میں ہمارا اعتماد بحال ہو۔ لہٰذا اس کام کے لئے کسی "مرد قلندر" کی ضرورت ہے جو عوام میں اعتماد بحال کرے۔ اس اعتماد سے ہی دعوت کا ظہور ہو گا۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اسلامی انقلاب کے مرحلہ تربیت پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ مکی قرآن میں پورا نصاب تربیت موجود ہے۔ اس موقع پر انہوں نے سورۂ مزمل کا حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ تربیت میں چار عوامل ضرور شامل ہونے چاہئیں جو بالترتیب قیام الیل' ذکر اسم ذات' ذکر اور صبر ہیں۔

جناب ڈاکٹر ملک صاحب نے ہندوستان کے خصوصی حالات کے تناظر میں فرمایا کہ یہاں کوئی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک دو شرائط پوری نہ کرے۔ پہلی شرط حنفی المسلک ہونا ہے جبکہ دوسری شرط تربیت میں تصوف کو اختیار کرنا ہے۔ اگرچہ تصوف کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے واضح کر دیا کہ میں اس تصوف کی بات کر رہا ہوں جو قرآن و سنت میں مقید ہو اور یہی وہ تصوف ہے جس کی طرف رہنمائی حضرت مجدد الف ثانی نے فرمائی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کے ہاں مقبولیت کے لئے ان میں سے کسی شرط کا ہونا لازم نہیں لیکن اس خطے کے مخصوص تہذیبی کلچر کے حوالے سے یہ حکمت عملی کی سطح پر بہت ہی اہم ہے۔

محترم ڈاکٹر ملک صاحب نے اقدام کے مرحلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مرحلے کو سر کرنا کسی ایک جماعت کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس مرحلہ کے سر کرنے کے لئے مختلف جماعتوں سے رابطہ بڑھانا ہو گا۔ جب مختلف جماعتیں باہمی طور پر مربوط ہو جائیں تو پھر حکمرانوں سے دین کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ حکمرانوں پر' اس مرحلے میں' واضح کر دیا جائے گا کہ اگر تم نے دین نافذ نہ کیا تو ہم "صبر" کریں گے اور تم ہمارے اس صبر کی تاب نہ لا سکو گے۔ اس موقع پر محترم ڈاکٹر صاحب نے ایرانی انقلاب کی مثال پیش کی کہ "صبر" جیت گیا اور ایشیاء کا سب سے جابر حکمران ہار گیا۔ انہوں نے یہی طریقہ کار اپنا کر دوسری مثال پاکستانی شیعہ حضرات کی دی کہ انہوں نے زکوٰۃ جیسے اہم رکن سے اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار دلوالیا۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب نے اقدام کے مرحلے کی دو مشکلات کا بھی ذکر کیا۔ ان کے بقول پہلی مشکل یہ ہے کہ ہمارے ملک کی انتظامیہ استعماری ذہن کی مالک ہے' اس کے ذہن سے "جلیانوالہ" باغ نکلتا ہی نہیں ہے۔ اس مرحلے میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ایسی حکمت عملی اختیار کریں کہ جلیانوالہ باغ کی تاریخ دہرانے سے بچ جائیں۔ لیکن اگر ہماری تدابیر کے باوجود تاریخ دہرائی جاتی ہے تو پھر ہم آنے والی ہر مصیبت کو خوش آمدید کہیں گے۔ دوسری مشکل استعماری طرز تعلیم ہے۔ اس نظام تعلیم نے ذہنوں سے اسلام کی عظمت نکال دی ہے۔ ہمیں اس نظام تعلیم کے خلاف اعلان بغاوت کرنا ہو گا۔ اس موقع پر محترم ملک صاحب نے اپنے تعلیمی منصوبوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مجوزہ نظام تعلیم سے فارغ ہونے والے دین کا درد لے کر جائیں گے لہٰذا وہ جہاں بھی ہوں گے اقدام کے مرحلہ پر ہمارے معاون بن جائیں گے۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب نے کہا کہ اس وقت ہمیں چند مشکلات کا سامنا ہے' جن میں سے دو بہت اہم ہیں۔ ہماری پہلی مشکل جاگیرداری نظام ہے۔ اس نظام کا خاتمہ تو انقلابی جدوجہد کا ہی مرہون منت ہے جبکہ دوسری مشکل فرقہ واریت ہے۔ انہوں نے فرقہ واریت کے اسباب بھی بیان کئے۔ ان کے

آڈیٹوریم کے باہر پارک میں سامعین کی حاضری کا ایک جزوی منظر

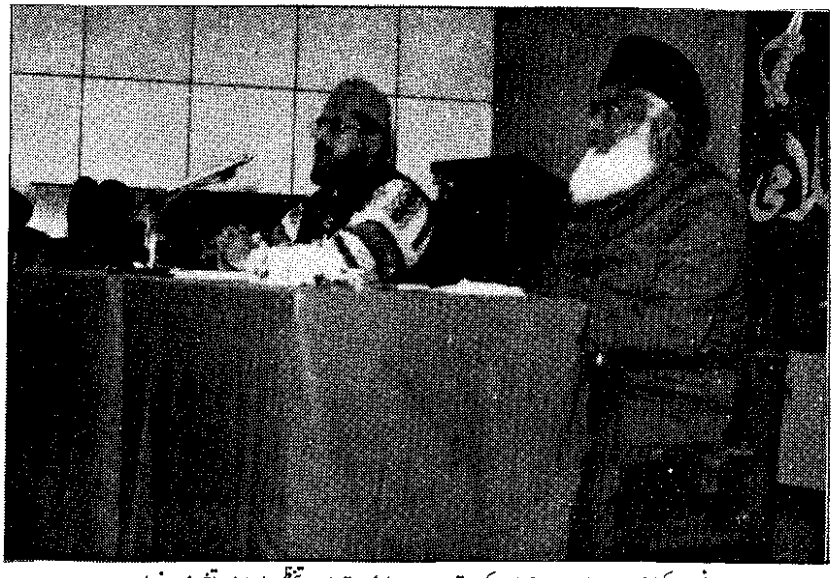

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری خطاب کرتے ہیں ہوئے' ساتھ امیرِ تنظیم اسلامی تشریف فرما ہیں

بقول فرقہ واریت کے تین اسباب' شرک باللہ' ترک قرآن اور فریضہ اقامت دین کی ادائیگی سے غفلت ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت بھی معاشرے میں اگر دیکھا جائے تو فرقہ وارانہ سرگرمیوں میں فقط وہی لوگ مصروف ہیں جو اقامت دین کی جدوجہد نہیں کر رہے۔ جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں' انہیں فرصت ہی کب ہے کہ کچھ اس سے کسی کم تر چیز کے بارے میں بھی سوچ سکیں۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے فیض کے اس شعر پر اپنی تقریر ختم کی کہ ۔

کس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
اس جان کی کوئی بات نہیں' یہ جان تو آنی جانی ہے

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب کی بھرپور تقریر کے بعد ہمارے اگلے مقرر پاکستان عوامی تحریک کے چیئرمین اور تحریک منہاج القرآن کے بانی سربراہ جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب تھے۔ محترم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے بغیر کسی تمہید کے اپنی گفتگو براہ راست موضوع کے حوالے سے شروع کی۔ انہوں نے اسلامی انقلاب کے طریق کار پر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ خطاب فرمایا اور اپنے موضوع کا حق ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے انقلابی عمل کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ان کے خیال میں پہلا حصہ اقدام سے قبل کے مراحل پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا حصہ مرحلہ اقدام سے بحث کرتا ہے۔ افسوس کہ وقت کی قلت کے باعث محترم قادری صاحب پہلے حصے کے مراحل ہی بیان کر سکے۔ دوسرے حصے کا بھی انہوں نے مغز سامعین کے سامنے ضرور رکھ دیا تاہم حق ادا نہ ہو سکا۔ محترم ڈاکٹر طاہر القادری کے بقول اسلامی انقلاب کے مراحل پانچ ہیں' جو بالترتیب دعوت' تربیت' تنظیم' تحریک اور مرحلہ انقلاب ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب مندرجہ بالا مراحل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ تربیت کے لئے تصوف کو اپنانا ناگزیر ہے۔ ان کے بقول تصوف سے مراد وہی کچھ ہے جسے قرآن میں تزکیہ اور حدیث رسول ؐ میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ انہوں نے بھی تصوف کے نام پر بدعات و رسومات کے طومار کی تردید کی ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک بھی نظری طور تصوف قرآن و سنت سے مقید ہے۔ انہوں نے کہا کہ تصوف کے نام پر بدعات اس وقت جنم لیتی ہیں جب تصوف دعوت کے عمل سے الگ ہو جاتا ہے۔

محترم طاہر القادری صاحب اسلامی انقلابی جماعت کے کارکنوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ نور توحید الٰہی اور عشق رسول ؐ سے سرفراز ہونا ازبس ضروری ہے۔ ان کے بقول فرد کو طاقت توحید سے اور جماعت کو استحکام عشق رسول ؐ سے میسر آتا ہے۔ اس موقع پر وہ شان رسالت اور ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اٹھنے والی تحریکوں کی کامیابیوں کا ذکر فرما رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ عوام الناس مصطفیٰ کریم ؐ کے نام پر اپنی جانیں نچھاور کرنا سعادت سمجھتے ہیں لہٰذا اس محبت رسول ؐ کے عملی تقاضے پورے کرنے کے ساتھ ساتھ زبان سے اس کا اظہار بھی ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے اپنی گفتگو میں فرقہ واریت کے بت کو توڑنے کی بات کی ہے۔ انہوں نے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی اس کاوش پر کہ مختلف مکاتب فکر کے لوگوں کو یکجا ہونے کا موقع فراہم کیا' خراج تحسین پیش کیا۔ نیز اس سلسلے کو جاری رکھنے کا عندیہ بھی دیا۔

محترم قادری صاحب نے اقدام کے مرحلہ پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی کتاب "منہج انقلاب نبوی ؐ" کے آخری باب سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو خلاف اسلام نظام کے دفاع کی وجہ سے کلے کی ڈھال کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی لہٰذا ان کے خلاف مسلح تصادم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد نے اس مرحلے کو ترک کر کے اس کا متبادل احتجاجی سیاست کو قرار دیا ہے۔ محترم ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے جب اپنا بیان مکمل کر لیا تو امیر محترم نے وضاحت کرتے ہوئے اپنا موقف پیش کیا کہ وہ بھی "خروج" کو جائز سمجھتے

قرآن آڈیٹوریم میں موجود سامعین کا ایک منظر

(دائیں سے بائیں) جناب ڈاکٹر عبدالخالق' مولانا عطاء المحسن بخاری' محمد صدیق (بھیرہ والے) پروفیسر ڈاکٹر ابصار احمد' ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک' مدیر ندائے خلافت جناب اقتدار احمد سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔

ہیں۔ امیر محترم مدظلہ کا کہنا تھا کہ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے سہو کی بنیاد پر یا میری کتاب کا متعلقہ حصہ پڑھنے کا موقع نہ پا کر لاعلمی کی بنیاد پر میرا موقف صحیح پیش نہیں کیا۔ امیر محترم مدظلہ نے کہا کہ میں امام اعظم ابو حنیفہ" کی رائے کا قائل ہوں کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کے خلاف مسلح تصادم جائز ہے' بشرطیکہ بظاہر احوال کامیابی کے امکانات واضح ہوں۔ امیر محترم مدظلہ نے کہا کہ اس موقف کو تسلیم کرتے ہوئے میں سیاسی و عمرانی ارتقاء سے فائدہ اٹھاتے ہوئے احتجاجی سیاست کو اختیار کرنے کو کہتا ہوں۔ امیر محترم کی اس وضاحت سے محفل کا رنگ ایک دم تبدیل ہوتا ہوا محسوس ہوا۔

ہمارے اس پروگرام کی افادیت کو تمام مہمان مقررین نے تسلیم کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سے ایک دوسرے سے موجود فاصلے کم ہوتے ہیں اور قرب بڑھتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جب اکابرین ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں تو اس کا اثر کارکنان پر بھی پڑتا ہے۔ نتیجتاً وہ بھی دینی کام میں ایک دوسرے کے راستے میں رکاوٹ بننے کے بجائے ایک دوسرے کے مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح کی تقاریب کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کا موقعہ فراہم ہوتا ہے۔ یہ چیز انقلابی جماعت کے کارکنوں کے لئے بہت ہی ضروری ہے کہ وہ ایک کنویں کے مینڈک بن کر نہ رہ جائیں بلکہ اپنے اردگرد کے ماحول کو بھی دیکھیں۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ وہ اپنے جماعتی خول سے باہر تب ہی نکل سکتے ہیں کہ ان کے اکابرین ان کو نکالنا چاہیں' ہمارے قائد نے اس رسم کی بنا ڈالی اور اس پر متواتر عمل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء کو ہر آنے والے دن اپنے فکر پر گزرے ہوئے دن سے زیادہ رسوخ حاصل ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارے قائد نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ کہیں میری یہ "بھیڑیں" کسی اور کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔

ان ضمنی فوائد کے علاوہ ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ ہمارے اکابرین کوئی ایک لائحہ عمل اختیار کرتے ہوئے نظام باطل کے خلاف مشترکہ جہاد شروع کریں۔ کیا عجب کہ تنظیم اسلامی کی یہ کوشش ہی اس کے لئے نقطۂ آغاز بن جائے۔ اس وقت اگر عالمی تناظر میں حق و باطل کی کشمکش کا جائزہ لیا جائے تو ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ آنے والے ہر دن باطل قوتیں نقطہ اتحاد کی طرف بڑھ رہی ہیں جبکہ اس کے برعکس حق کی قوتیں باہم دیگر دست و گریباں ہیں۔ اس وقت امت مسلمہ کی بہتری کے لئے اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی جماعتوں کے اتحاد کی جتنی ضرورت ہے شاید پہلے اتنی کبھی نہ تھی۔ ہمارے ایک رفیق کے مطابق اگر اس محفل میں شریک تین "ڈاکٹر" ہی کسی مضبوط بنیاد اور مشترکہ لائحہ عمل پر متحد ہو جائیں تو یہی "اتحاد ثلاثہ" پاکستان میں اسلامی انقلاب کا نقطۂ آغاز ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان تینوں شخصیات کا تعارف پڑھے لکھے نوجوانوں میں دوسرے علماء سے مختلف ہے۔ چونکہ یہ تینوں حضرات پاکستان ٹیلی ویژن کے ذریعے نوجوانوں تک قرآن کے پیغام کو کسی نہ کسی درجے میں اپنے اپنے انداز میں یکے بعد دیگرے پہنچا چکے ہیں۔ اس کے علاوہ تینوں حضرات اللہ کی طرف سے قوت بیان اور قوت استدلال سے سرفراز ہیں اور دین اسلام کو عہد حاضر کے ذہن کے قریب ہو کر' اس کے عصری تقاضوں کے مطابق پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہٰذا ان کا اتحاد نوجوان نسل میں امید کا پیغام ثابت ہو گا۔ اس اتحاد کا فائدہ یہ ہو گا کہ بہت سی دوسری اعتدال پسند جماعتیں بھی اس میں شریک ہو جائیں گی۔ اس طرح اسلامی انقلاب کی منزل قریب سے قریب تر ہوتی چلی جائے گی۔

بہرحال امیر تنظیم اسلامی نے اس کام میں پہل کر کے گویا گیند دوسرے زعماء کے کورٹ میں پھینک دی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا وہ بھی اس وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے وابستگان کی محفل میں ہمیں اپنا موقف پیش کرنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔ اس حوالے سے یہ بات بھی کسی قدر افسوس کے ساتھ عرض کرتا جاؤں کہ ماضی میں اس کی کوئی مثال ہمیں

(دائیں سے بائیں) پہلی صف میں' مولانا انور قریشی' علامہ ڈاکٹر طاہر القادری' صاحبزادہ سید خورشید گیلانی اور جنرل (ر) محمد حسین انصاری

ملتی نہیں ہے۔

اس نشست کی دو تقاریر کا اگر گہرائی میں اتر کر تجزیہ کیا جائے تو اس نتیجے تک پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی کہ دونوں حضرات یعنی پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اور ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب نے امیر محترم مدظلہ کے سیرت سے بیان کردہ مراحل کی توثیق کی ہے۔ محترم ڈاکٹر طاہر القادری نے پہلے تین مراحل تو بالکل ہی انہی اصطلاحات کے ساتھ بیان کئے ہیں جن کے ساتھ امیر محترم برسہا برس سے بیان کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اگرچہ بعد کے تین مراحل کو انہوں نے دو مراحل میں جمع کیا ہے۔ بہرحال بنیادی فلسفہ کے اعتبار سے ان تینوں بزرگوں کی آراء میں کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوا تاہم تفصیلات اور جزئیات میں جا کر یقیناً کچھ نہ کچھ اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔

محترم پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے اقدام کے مرحلہ کو سر کرنے کے لئے جانثاروں کی مطلوبہ تعداد کے حوالے سے جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں' ہمارے خیال میں ان پر کلام کی گنجائش موجود ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ چونکہ ایک حلقہ انتخاب میں ایک ممبر کو کامیاب بنانے کے لئے کم از کم ۵۰ ہزار ووٹوں کی ضرورت ہوتی لہٰذا اسلامی انقلاب کے لئے تو ایک حلقے سے اس سے بھی زائد لوگوں کی ضرورت ہو گی۔ میرے خیال میں وہ اس بات کو بھول گئے ہیں کہ انتخابی عمل میں ووٹوں کو گنا جاتا ہے' تولا نہیں جاتا جبکہ اس کے برعکس اسلامی انقلاب یا کسی بھی انقلاب کے لئے اصل چیز اس انقلابی جماعتوں کے لوگوں کی گہری وابستگی اور تربیت ہوتی ہے۔ کسی بھی انقلابی جماعت کا ایک فرد دوسرے سینکڑوں افراد پر بھاری ہوا کرتا ہے۔ اس حقیقت کی شہادت تو انقلابات کی پوری تاریخ دیتی ہے کہ انقلاب ہمیشہ اقلیت نے برپا کیا ہے۔ پھر اسی تقریب میں ڈاکٹر طاہر القادری صاحب سے قبل محترم ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب ایک مثال پاکستان کی ماضی قریب کی تاریخ سے پیش کر چکے تھے کہ پاکستان کے پچاس ساٹھ ہزار اہل تشیع نے زکوٰۃ سے اپنے آپ کو مستثنیٰ قرار دلوا لیا۔ اسی طرح کی ایک مثال انہوں نے ایرانی انقلاب سے بھی دی ہے۔ محترم ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے مالاکنڈ کی حالیہ تحریک نفاذ شریعت کے ناکام ہو جانے کی مثال پیش کی ہے۔ حالانکہ تحریک نفاذ شریعت کوئی منظم جماعت سرے سے ہے ہی نہیں۔ پھر اس کے علاوہ اس میں

قرآن آڈیٹوریم کے باہر پارک میں موجود حاضرین کا ایک جزوی منظر

بہت سے غیر منظم اور مفاد پرست لوگ بھی شامل ہو گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں قتل ہو جانے والے حضرات کے بارے میں مولانا صوفی محمد صاحب کا بڑا شدید ردعمل سامنے آیا ہے۔ ہمارے نزدیک انقلابی جماعت کی اصل قوت تعداد کے علاوہ اس کا منظم اور تربیت یافتہ ہونا ہے۔ پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے تین چار لاکھ منظم و تربیت یافتہ فدائین کی ضرورت ہے نہ کہ کروڑوں کی۔ بہرحال یہ باتیں وہ ہیں کہ جو مل بیٹھ کر سمجھی سمجھائی جا سکتی ہیں۔

اگر ہم تفصیلات میں جا کر بھی مطالعہ کریں تو تربیت کے مرحلے میں تصوف پر زور کے علاوہ باقی چیزیں وہی ہیں جو منہج انقلاب نبویؐ میں بیان ہوئی ہیں۔ تصوف کے حوالہ سے بھی جو باتیں نظری طور پر دونوں حضرات کی طرف سے سامنے آئی ہیں ان سے امیر محترم کو اختلاف یقیناً نہیں ہو گا۔ اس لئے کہ دونوں حضرات نے تصوف کو قرآن و سنت سے مقید قرار دیا ہے۔ امیر محترم بھی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہمیں قرآن و سنت کی اصطلاحات کو استعمال کرنا چاہئے۔

محترم ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب کی طرف سے دو باتیں ایسی سامنے آئی ہیں کہ جن پر گہرے غور خوض کی ضرورت ہے۔ ایک بات انہوں نے حنفی مسلک اختیار کرنے کے حوالے سے کی ہے جبکہ دوسری بات مجدد الف ثانیؒ کے طریق اصلاح کو اختیار کرنے کی ہے۔ اگرچہ انہوں نے یہ دونوں باتیں حکمت عملی کے حوالے سے کہی ہیں تاہم ہمیں سوچنا پڑے گا کہ مجدد الف ثانیؒ کے بعد کے مجددین نے سفر ان سے آگے شروع کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے علماء کے فقہ پر زور کے رد میں ہی کام کیا اور قرآن و حدیث کی طرف رجوع کی دعوت دی۔ امام الہند جامد تقلید کے بھی قائل نہ تھے بلکہ اجتہاد پر زور دیا۔ بہرحال یہ باتیں اکابرین کی سطح پر زیر بحث آنی چاہئیں۔

ہمارے تینوں فاضل مقررین نے فرقہ واریت کے عفریت کو امت مسلمہ کے لئے انتہائی مہلک قرار دیا۔ خصوصاً ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے فرقہ وارانہ رویہ کی پرزور مذمت کی۔ ان کی طرف سے یہ مذمت بہت مبارک ہے۔ تاہم ہم میں سے ہر ایک کو پہلے خود اپنے رویوں کا گہرائی میں اتر کر جائزہ لینا ہو گا۔ جب تک ہم خود اپنا جائزہ نہیں لیں گے اور اپنے وابستگان کی تربیت اس نہج پر نہیں کریں گے اس وقت تک ہماری یہ پرجوش مذمتیں محض دکھاوا ٹھہریں گی۔ عموماً ہوتا یہی ہے کہ جس محفل میں زعماء فرقہ واریت کی مذمت کرتے ہیں اس محفل میں ہی ان زعماء کے وابستگان فرقہ وارانہ رویئے کا بھرپور اظہار کر دیتے ہیں' جس سے زعماء کی ساری لمبی چوڑی منطق کا بھانڈا پھوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ خود زعماء کو ہی اس بات کا جائزہ لینا ہو گا کہ ہم نے بھی کہیں اپنے وابستگان کے دلوں میں اپنی شخصیت کا بت تو نہیں نصب کر دیا۔ اگر ہم خود شخصیتوں کے بت تراش رہے ہیں اور یقیناً تراش رہے ہیں' تو بت شکنی کی بات منافقت ٹھہرے گی۔

یہ چند تاثرات اس پروگرام کی افادیت کے حوالے سے تھے۔ اب اس پروگرام کے انتظامی پہلوؤں کا بھی مختصر سا جائزہ پیش خدمت ہے۔ انتظامی

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

مکتوب کراچی

نجیب صدیقی

لوگوں کا "مورال" پاتال میں چلا گیا ہے

سال بھر میں گرنے والی لاشیں اور پڑنے والی ڈکیتیاں اعداد و شمار کی روشنی میں

کراچی میں دہشت گردی کی وارداتوں میں انتظامیہ ملوث ہے؟

آج ۱۹۹۵ء کا پہلا دن یعنی یکم جنوری ہے۔ مختلف حلقے اپنے اپنے انداز میں سال گذشتہ کی "بیلنس شیٹ" مرتب کریں گے۔ ایک مومن کے لئے ہر دن کے اختتام پر دن بھر کی کارگزاری کا جائزہ اس کے معمولات میں ہونا چاہئے۔ کسی دانا کا قول ہے کہ جس کے دو دن یکساں گزرے اور اس نے ترقی نہیں کی (یہ ترقی دینی اعتبار سے ہے) تو وہ گھاٹے میں ہے۔

آج اخبار نے کراچی شہر میں ایک سال کے اندر ہونے والے قتل اور ڈکیتیوں کے اعداد و شمار شائع کئے ہیں۔ ایک سال میں ایک ہزار ایک سو پانچ افراد قتل ہوئے' جو لاپتہ ہیں ان کی تعداد الگ ہے۔ دو ہزار چھ سو ستائیس شہری زخمی ہوئے۔ ڈکیتی اور رہزنی کی ساڑھے تین ہزار وارداتیں ہوئیں۔ یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو سرکاری ذرائع سے حاصل شدہ ہیں' ورنہ قتل اس سے کہیں زیادہ ہوئے ہیں اور ڈکیتیوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ بمشکل پچاس فیصد لوگ ڈکیتیوں کے اندراج کے لئے تھانے جاتے ہیں۔ ان میں سے بیس فیصد لوٹائے جاتے ہیں۔ عوامی پارٹی جو جمہوریت پر فخر کرتی ہے اس نے کراچی کو ایک سال میں یہ تحفہ دیا ہے۔ خوف و ہراس ابر سیاہ بن کر کراچی کی فضا پر مسلط ہے۔ ہر شخص عدم تحفظ کا شکار ہے۔ کسی کو خبر نہیں کہ اس کے ساتھ کل کیا معاملہ پیش آنے والا ہے۔

اچانک کوئی پلازا' کوئی کمپلیکس صبح صادق کے وقت گھیرے میں لے لئے جاتے ہیں' ان کے مکین تمام مرد گھروں سے نکال لئے جاتے ہیں' آنے والے سخت لمحات کے لئے ان کے دل دھڑک رہے ہوتے ہیں۔ انہیں قطار میں کھڑا کر دیا جاتا ہے "چہرہ شناس" آتے ہیں اور ان میں جوانوں کو الگ کر لیتے ہیں' بقیہ رہا کر دیئے جاتے ہیں۔ بوڑھے ہانپتے کانپتے اپنے فلیٹ میں جاتے ہیں جبکہ ان کے جوان بچے نامعلوم منزل کی طرف لے جائے جا چکے ہوتے ہیں۔ ان کے کرتے اتار کر ان کی آنکھوں پر باندھ دیئے جاتے ہیں اور ہر ملزم اپنے مستقبل سے بے خبر' گالیاں سنتے' بٹوں کی مار' لات گھونسہ برداشت کرتے کسی خاص جگہ پہنچائے جاتے ہیں۔ ان کے ورثا مارے مارے پھرتے ہیں' جس کا سودا طے ہو جاتا ہے وہ اپنے بچے کو لے آتا ہے۔ بہت سوں کے لئے یہ خبر آتی ہے کہ پولیس مقابلہ میں راہی ملک عدم ہو گئے۔ اس کا ردعمل نفرت' بغاوت کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس عمل سے پاکستان سے ایک بیزاری پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ بچے اپنے والدین سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس کے لئے پاکستان بنایا تھا۔ ہندوؤں کے ہاتھوں بھارت میں آج مسلمان اتنی اذیت نہیں اٹھا رہے جتنی ہمیں اپنے بھائیوں کے ہاتھوں سہنی پڑ رہی ہے۔

جناب انصار برنی کا نام ایدھی کے بعد خدمت خلق کے لئے نمایاں شمار ہوتا ہے۔ آج ہی کے اخبار میں ان کا بیان شائع ہوا ہے۔ وہ انسانی حقوق کے علمبردار بھی ہیں اور ویلفیئر ٹرسٹ انٹرنیشنل کے چیئرمین بھی ہیں۔ انہوں نے الزام لگایا ہے کہ دہشت گردی میں پولیس اور انتظامیہ ملوث ہے۔ امن و امان کی بحالی اور خاتمہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں اگر ان کا جائزہ لیا جائے تو پولیس اور انتظامیہ اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ آپریشن کی آڑ میں پولیس کراچی کے مختلف علاقوں سے بے گناہ افراد کو تفتیش کی غرض سے مہینوں اپنی تحویل میں رکھنے کے بعد انہیں جھوٹے مقدمات میں ملوث کر کے شہر کے مختلف تھانوں میں پابند سلاسل کر دیتی ہے۔ اس صورتحال سے امن پسند نوجوان میں بغاوت کے جذبات پیدا ہو رہے ہیں' جن کی مثالیں منظر عام پر آتی رہی ہیں۔ وزیر اعظم صاحبہ کی کراچی آمد کے بعد دہشت گردی اچانک رک گئی ہے اور ایک سکوت سا طاری ہو گیا ہے۔ کیا یہ صورتحال پولیس اور انتظامیہ کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا نہیں کرتی۔ انصار برنی نے کہا ہے کہ وزیر اعظم کے حالیہ ترش بیانات سے کراچی کی نفرتوں میں کمی کے بجائے اضافہ ہوا ہے۔ یہ تھے انصار برنی صاحب جو اخبار نویسوں سے کراچی کا دکھ بیان کر رہے تھے۔

چند روز پہلے ایک ضعیف باپ کا بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے کہ اس کے دونوں بیٹوں کو پولیس گھر سے پکڑ کر لے گئی۔ چھوٹے بیٹے کی لاش گھر پر آئی تو معلوم ہوا کہ پولیس مقابلے میں اسے مار گیا ہے۔ بڑا بیٹا ابھی تک بازیاب نہیں ہو سکا ہے۔ اس بوڑھے باپ نے بڑی گریہ و زاری سے آئی جی سے اپیل کی ہے۔

آنکھوں میں دھول جھونکنے کا محاورہ سنتے آئے تھے لیکن یہ تو دھول کے بجائے مرچیں بھر رہے ہیں۔ بچے کو گھر سے پکڑ کر لے جانا اور اسے مقابلے میں قتل ظاہر کرنا اس زمین پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے! ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رحم' محبت' شفقت' دل کی نرمی اس سرزمین سے اٹھا لی گئی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس سے پولیس کی مدح سرائی کی جاتی ہے اور ترقی و انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ امن و امان کی صورتحال کا رونا تو سبھی رو رہے ہیں۔ شہر کے گنجان علاقے میں چلنے والی بسیں اور کوچیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔ آج ہی کی خبر ہے کہ رنچھور لائن میں جو گنجان ترین علاقہ ہے' ایک کوچ میں دو آدمی سوار ہوتے ہیں' مسافروں سے نقدی اور گھڑیاں سمیٹ کر اتر جاتے ہیں' وہ نہ بلوکیب پر آئے تھے نہ موٹر سائیکل پر

کہ فوراً بھاگ گئے ہوں' یہاں کے لوگوں میں وہ جرات اب ختم ہو چکی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اگر ملزم کو پکڑ کر وہ تھانے لے گئے تو ان کی اپنی خیریت نہیں ہو گی۔ مالی نقصان کے ساتھ "مورال" کا عظیم نقصان ہو رہا ہے جس کی تلافی ممکن نہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب تاتاریوں نے حملہ کیا تھا تو مسلمانوں کا مورال اس درجہ گر گیا تھا کہ ایک تاتاری عورت مردانہ لباس پہن کر مسلمانوں کو قتل کر رہی تھی اور وہ قتل ہو رہے تھے' اچانک اس کا لباس کھل گیا جس سے پتہ چلا کہ وہ عورت ہے' پھر لوگوں نے بڑھ کر اسے قتل کیا۔

اس وقت کراچی کی صورتحال کچھ ایسی ہی ہو گئی ہے۔ ان کا مورال پاتال میں چلا گیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کچھ دنوں بعد فریاد کی بھی سکت نہیں رہے گی۔ اس کی ایک مثال تو مہنگائی ہے۔ حکومت ہر صبح کوئی نہ کوئی افتاد سے عوام کو ہراساں کرتی ہے۔ کبھی بجلی کے نرخ میں اضافہ' کبھی سوئی گیس کے نرخ دوگنے ہو جانے کی خوشخبری' اس پر مستزاد اجناس کی ہوشربا گرانی ہے۔ جس دن کسی چیز کے ریٹ نہیں بڑھتے وہ دن خوش قسمت شمار ہوتا ہے۔ آج صبح کی پہلی خوشخبری یہ تھی کہ دودھ سولہ روپے فی کلو سے اٹھارہ روپیہ ہو گیا ہے۔ ساتھ ہی حکومت کا بیان تھا کہ حکومت سے پوچھے بغیر ریٹ نہیں بڑھایا جا سکتا۔ حکومت کی گرفت ہو تو بات سمجھ میں آ سکتی ہے' لیکن حکومت کی سنتا کون ہے۔ پہلے گوشت کا دو دن کا ناغہ ہوتا تھا' حکومت نے ایک دن کے ناغے کا اعلان کیا' گوشت والوں نے تین دن کے ناغہ کو رواج دیا۔ آج بھی تین دن کا ناغہ ہے لیکن حکومت چپ ہو گئی۔ بے داغ حکومت جرات مندانہ فیصلہ کر سکتی ہے' کرپٹ حکومت میں حوصلہ مندی نہیں ہوتی۔

ہمارے ملک میں دو بڑی پارٹیاں ہیں جو جمہوریت کے نام پر حکومت کر رہی ہیں۔ گو کہ ان کی اپنی جماعت میں کوئی جمہوریت نہیں ہے۔ ان کی صورت حال تو یہ ہے کہ جو ایک بار صدر یا سیکرٹری جنرل گیا وہ اپنی حیات تک اس پر قابض رہے گا۔ یہ دونوں جماعتیں پاکستان کی ضرورت بن گئی ہیں کیونکہ جمہوریت کی گاڑی انہی دو پہیوں پر چلے گی۔ لوگ چاہیں نہ چاہیں انہیں دو میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ دونوں طرف جاگیردار' زمیندار اور خوانین ہیں۔ ان کی گرفت اقتدار پر مضبوط ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک میں ایک پریشر گروپ وجود میں آئے' وہ انتخاب میں حصہ نہ لے' عوام کی بنیادی ضرورتوں کو اپنا "موٹو" بنائے اور لوگوں کو منظم کرے۔ دونوں پارٹیوں میں سے جو پارٹی اس کے مطالبوں کے ساتھ مضبوط عہد کرے وہ اس پارٹی کا ساتھ دے۔ پیاسے عوام ایسی پارٹی کی صدا پر فوراً لبیک کہیں گے۔ یہ ایک عارضی علاج ہے۔ گرتی ہوئی قومی ساکھ کو اس طرح بچایا جا سکتا ہے۔ مایوسی کسی قدر دور ہو گی' لوگوں میں کچھ کر گزرنے کا جذبہ پروان چڑھے گا۔ اس وقت تو قوم دونوں پارٹیوں سے مایوس ہے۔ قوم ان سے چھٹکارا چاہے بھی تو ممکن نہیں!!

پریشر گروپ اگر ملکی سطح پر منظم ہو جائے تو اصلاح احوال کی طرف قدم اٹھنے لگیں گے۔ اس کی ایک بہت چھوٹی مثال نئے سال کے آغاز پر دیکھنے میں آئی ہے۔ نئے سال پر کراچی میں جو کچھ ہوتا رہا ہے' قوم اس سے باخبر ہے۔ ہر بڑے ہوٹل میں شراب و کباب کی محفل جمتی' رقص و سرود رات بھر جاری رہتا۔ ہماری نوجوان نسل شراب پی کر رات بھر تھرکتی رہتی۔ امسال ایک گروپ کی طرف سے اخبارات میں دھمکی آئی کہ ہم رقص و سرود کی محفلوں کو ہاتھوں سے اجاڑ دیں گے' یہ سب کچھ نہیں ہونے دیں گے۔ اس کی ایک ہلکی سی جھلک انہوں نے اس طرح دکھائی کہ ایک شراب خانے کو دن دہاڑے تلپٹ کر دیا۔ ان کا یہ فعل درست تھا یا نہیں' اس سے قطع نظر' نہی عن المنکر بالید کی ایک ہلکی سی جھلک نے ان کے تمام پروگراموں کو بدل دیا۔ تمام بڑے ہوٹلوں نے اعلان کر دیا کہ نئے سال کی تقریبات نہیں ہوں گی۔ رات دس بجے ہوٹل بند کر دیئے جائیں گے۔ انتظامیہ نے بہت یقین دلایا کہ ہم تمہاری حفاظت کریں گے تم اپنا پروگرام جاری رکھو مگر پروگرام نہ ہو سکا۔ اس کے باوجود ان کی حفاظت کے لئے بکتر بند گاڑیاں اور رینجرز کے دستے متعین کئے گئے۔ حکومت برائی کے تحفظ کے لئے کس قدر مستعد ہے' اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انسانی جانوں کی حفاظت اتنی اہم نہیں ہے جتنی رقص و سرود کی محفلوں کی حفاظت ہے۔ بی بی سی کے بقول کچھ لوگوں نے یہ ممثل سمندر کے اندر جہاز پر منعقد کی اور کچھ لوگوں نے بڑے بڑے بنگلوں میں مقید ہو کر اس کار خیر کو ادا کیا۔

اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر خیر کی طاقتیں جمع ہو جائیں تو برائی خود بخود کافور ہو جائے گی جس طرح کہ روشنی کی ایک کرن تاریکی کو پھاڑ دیتی ہے اس طرح خیر کی قوتیں برائی کو سمندر میں دھکیل دیں گی۔ گناہ اور برائی کے اپنے پاؤں مضبوط نہیں ہوتے۔ اس کے مقابلے میں اگر خیر تھوڑا ہو تو وہ اپنے کردار کی مضبوطی کی وجہ سے غالب آ جاتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی اس بات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چھوٹی جماعتیں بڑی جماعت پر غالب آ جاتی ہیں۔ یہی وہ کردار کی قوت ہوتی ہے جسے ہم بالالفاظ دیگر ایمان کہتے ہیں۔ ہمارے ملک کے لئے پریشر گروپ ایک عارضی علاج ہے مگر اب ازبس ضروری ہو گیا ہے۔ اصل علاج تو وہی ہے کہ جس مقصد کے لئے پاکستان بنا تھا وہ مقصد جب تک بروئے کار نہیں آئے گا یہ ملک کھوکھلا ہوتا رہے گا۔ ہر وقت اس کے ٹوٹنے کا اندیشہ رہے گا۔ اس کی کشتی ہر دم ڈانواں ڈول رہے گی۔ اس کے لئے تو ہمیں قوم میں وہ بنیادی اوصاف پیدا کرنے ہوں گے جس کی تعلیم اسلام دیتا ہے۔ یہ مرحلہ اگرچہ کٹھن ہے مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔○○

کراچی میں رینجرز کے مظالم کی ایک جھلک

یہ حالات کسی "خانہ جنگی" کا پیش خیمہ تو نہیں؟

اسی روز شام چار بجے کے قریب بھٹائی رینجرز کی متعدد گاڑیوں نے ملیر کالونی سے ملحق رفاہ عام سوسائٹی کا گھیراؤ کر لیا اور وہ نعرے لگاتے ہوئے مقامی آبادی پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی زبانوں سے نکلنے والے زہریلے نعرے یہاں کی آبادی کے ہر فرد نے سنے۔ خواہ اس کا تعلق کسی بھی لسانی اکائی سے تھا۔ ان کے نعرے تھے۔

"ٹوٹ پڑو' کوئی جانے نہ پائے' گولی مار دو' مہاجروں کو سمندر میں پھینکو"۔ حملہ آور رینجرز نے اس تیزی سے دوکانوں پر ہلہ بولا کہ وہ انہیں بند بھی نہ کر پائے۔ دوکانداروں کو گھسیٹ کر دوکانوں سے نکالا گیا اور بند دوقوں کی بٹوں سے مارتے ہوئے ٹرکوں پر سوار کرا دیا۔ اسی طرح ایک قریبی گراؤنڈ میں نوجوان کرکٹ

کھیل رہے تھے۔ ان کو بھی یرغمال بنا کر ٹرکوں پر سوار کرا دیا گیا۔ ان ٹرکوں پر یرغمال کوئی ایسا شخص نہیں تھا جس کی قمیص اتار کر اس کی آنکھ پر نہ باندھ دی گئی ہو۔ بعض افراد نے خود ہی اپنی جیبوں سے رومال نکال کر اپنی آنکھوں پر باندھ لیا۔ ان یرغمالیوں کو جامعہ ملیہ کالج کے ہاسٹل' تھانہ ائیرپورٹ' گلشن حدید اور لانڈھی میں واقع گلبرگ ٹیکسٹائل ملز کے احاطے میں لایا گیا۔ جامعہ ملیہ کالج ہاسٹلز کی سیڑھیوں کے موڑوں پر دونوں طرف رینجرز کے جوان کھڑے تھے جو بندوقوں کے بٹوں اور ڈنڈوں سے بندھی ہوئی آنکھوں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے کی کوشش کرنے والے یرغمالیوں کی تواضع کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپس میں فحش مذاق کرتے اور انہیں غلیظ گالیاں بھی دیتے' جو کوئی نظر نہ آنے کے سبب گر جاتا اس کی مزید پٹائی کی جاتی۔ بعد میں یرغمالیوں کو اوپر کی تیسری منزل سے اتار کر رات گیارہ بجے تک سخت سردی میں گراؤنڈ میں اسی حالت میں بٹھائے رکھا گیا کہ ان کی قمیصیں ان کی آنکھوں پر بندھی ہوئی تھیں۔ بعض یرغمالیوں کو آنکھوں پر بندھی پٹی کی حالت میں ہی اسی طرح ٹرکوں سے چھلانگ لگانے کا حکم دیا گیا۔ ٹرک بہت اونچائی پر کھڑا کیا گیا تھا۔ اسی طرح یرغمالی گرتے تو رینجرز کے جوان قہقہے لگاتے اور کہتے کہ اب تمہیں مزہ آ رہا ہے۔ زیر حراست افراد میں رفاہ عام شاپ کیپرز ایسوسی ایشن کے صدر چودھری عبدالرزاق شامل تھے۔ انہوں نے رینجرز سے نماز پڑھنے کی اجازت مانگی تو ان سے کہا گیا کہ "تم بہت نمازی ہو تمہیں سعودی عرب نہ بھجوا دوں"۔

انہوں نے جواباً کہا کہ "ویسے تو آپ اوپر بھی بھجوا سکتے ہیں لیکن اللہ کے فرائض میں تو کوئی رکاوٹ نہ ڈالیں"۔ جس پر انہیں گالیوں سے نوازتے ہوئے کہا گیا تھا (ماہ) رمضان آنے والا ہے۔ اس میں ساری نمازیں پڑھ لینا۔" اسی دوران تمام زیر حراست افراد کی فہرستیں بنائی گئیں اور ہر ایک سے اس کا نام پتہ اور لسانی شناخت اور جائے پیدائش کے بارے میں پوچھا۔ اس دوران بھی انہیں گالیاں دینے کے علاوہ ان کی لسانی شناخت پر متعصبانہ جملے بھی کسے۔

ایک یرغمالی نے رینجرز والوں کو بتایا کہ وہ اصل میں میانوالی کا رہنے والا ہے تو کہا گیا کہ "میانوالی کے لوگ ہوتے ہی چور ڈاکو ہیں۔" کسی نے انہیں بتایا کہ وہ مہاجر ہے تو کہا گیا کہ مہاجر تو ہوتے ہی دہشت گرد ہیں۔ ہم انہیں سمندر میں پھینک دیں گے۔ ایک صاحب نے بتایا کہ ان کا تعلق سیالکوٹ سے ہے تو انہیں کہا گیا کہ "سیالکوٹی تو حرام دی بوٹی ہوتے ہیں۔" یہ لوگ جتنا عرصہ بھی رینجرز کی تحویل میں رہے انہیں مسلسل ذہنی اذیت دی جاتی رہی۔ کبھی کہا جاتا کہ سب کو زخمی کر کے ان کے زخموں پر مرچیں چھڑکی جائیں گی۔ کبھی کہا جاتا کہ دس دس لوگوں کو قطار میں کھڑا کر کے انہیں گولی مار دی جائے گی۔ اس لئے جو مسلمان ہے اور اسے کلمہ پڑھنا ہے تو وہ کلمہ پڑھ لے۔ ہر یرغمالی کو ایک ایسے کمرہ میں لے جایا گیا کہ جہاں تیز روشنی تھی۔ یہاں لوگوں سے باری باری کہا گیا کہ وہ آنکھوں سے پٹیاں کھول دیں۔ جب انہیں کمرے سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی تو پھر آنکھوں پر کپڑے باندھ لینے کا حکم دیا گیا۔ اس کے بعد ان لوگوں کو باہر ایک گراؤنڈ میں لے جا کر بٹھا دیا گیا۔ رات گیارہ بجے کے قریب ایس ڈی ایم اقبال نفیس خان اور ڈی ایس پی آصف جاہ صدیقی پہنچ گئے اور بتایا کہ ہم نے بڑی کوششیں کر کے آپ کو رہائی دلائی ہے۔ لیکن آپ لوگوں کو بھی نشاندہی کرنی پڑے گی جو شرپسند اور دہشت گرد ہیں۔

رینجرز کے جوانوں نے رفاہ عام مارکیٹ کے علاقے میں حملہ کرنے کے علاوہ گھروں پر بھی حملے کئے اور خواتین کو فحش گالیاں دیں اور انہیں سنگین اور غیر اخلاقی قسم کی دھمکیاں دیں۔ اس علاقے میں رینجرز کی اس دیدہ دلیری کے خلاف گزشتہ تین روز سے ہڑتال جاری ہے۔ مگر اعلیٰ حکام اس علاقے کے لوگوں کی تالیف قلب کے لئے اس طرف بالکل نہیں آئے۔ شاپ کیپرز ایسوسی ایشن کے صدر چودھری عبدالرزاق نے بتایا کہ علاقے میں لوگوں نے تھوڑے تھوڑے سرمائے کے ساتھ اپنی پوری جمع پونجی لگا کر پیٹ پالنے کے لئے یہ سامان کر رکھا ہے۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ اس دہشت گردی کا نوٹس لے۔ اور متاثرین کو اس کا معاوضہ ادا کرے۔ ایک سوال پر انہوں نے بتایا کہ دوکانوں پر ہونے والی لوٹ مار' توڑ پھوڑ اور کیش کا کل نقصان تین ساڑھے تین لاکھ روپے کا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ رینجرز نے لوگوں کے گھروں کے دروازے کے باہر کھڑی گاڑیوں کو بھی نقصان پہنچایا' جس سے ان کے شیشے ٹوٹ گئے اور باڈی کو بھی نقصان پہونچا۔OO

(بشکریہ ہفت روزہ تکبیر۔ ۵ / جنوری ۱۹۹۵ء)

دمِ عارف نسیم صبح دم ہے
اس سے اندیشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے
—— اقبال

محترم بھائی اقتدار احمد صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

مزاج گرامی!

کراچی میں آگ اور خون کا کھیل کھیلنے والے کرداروں میں سے ایک کردار کے کارنامے اس رپورٹ سے ظاہر ہیں۔ اس ہفت روزہ کے اسی شمارے میں یہ رپورٹ بھی شامل ہے کہ حکومت ایم کیو ایم مذاکرات کی ناکامی کے بعد ایم کیو ایم نے گوریلا جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ خدانخواستہ اگر ایسا ہوا تو جو ٹریلر آپ نے اس رپورٹ میں ملاحظہ فرمایا ہے' اس کی اصل فلم بھی چل جانے کا اندیشہ ہے۔ ایسے میں قرآن کریم کی ہدایت کے بموجب لڑنے والوں میں صلح کروانے کی کوشش کی جانی چاہئے لیکن جماعت اسلامی کراچی کے امیر جناب نعمت اللہ خان ایڈووکیٹ صاحب کا ارشاد گرامی بھی اسی رپورٹ میں شامل ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ "حکومت کو اس وقت سے ڈرنا چاہئے جب یہاں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جب یہاں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے تو پھر کوئی حکومت برقرار نہیں رہ سکتی۔ خواہ امریکہ ہی اس کی سرپرستی کیوں نہ کر رہا ہو" انہوں نے کہا کہ اب اس حکومت کو اقتدار میں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ کراچی کی پوری انتظامیہ اور رینجرز سیاسی دہشت گرد ہیں اور کھلے عام دہشت گردی میں ملوث ہیں۔ اس شہر میں اس وقت تک امن قائم نہیں ہو سکتا جب تک ان دہشت گردوں کا قلع قمع نہیں کر دیا جاتا۔ گویا کہ ساری خرابی تو حکومت میں ہی ہے بقیہ سارے گروہ تو معصوم محض ہیں۔ کیا دینی جماعتوں کا ایسا ہی کردار ہونا چاہئے!

کراچی اور کراچی والوں کو ہر دم دعاؤں میں یاد رکھنے کی درخواست کے ساتھ

احقر
میم سین کراچی

موجودہ حکومت بھی یحییٰ خان کے نقشِ قدم پر چل رہی ہے

کراچی کے حالات کا آخر ذمہ دار کون ہے ؟

ایجنسیاں اگر دہشت گردوں کی نشاندہی نہیں کر سکتیں تو ان کا فائدہ کیا ہے

محمد سمیع

کراچی میں جاری قتل و قتال کے بارے میں ایک سوال لوگوں کے ذہن میں گردش کرتا رہتا ہے کہ آخر اس کا ذمہ دار کون ہے۔ حکومت اس کے لئے ایم کیو ایم کے دونوں دھڑوں کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہے۔ لیکن کبھی کبھی اس کے توپ کا رخ بیرونی تخریب کاروں خصوصاً "را" کے انجنٹوں کی طرف مڑ جاتا ہے۔ متحارب گروپ اس کا الزام حکومت کی ایجنسیوں پر ڈال رہی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایم کیو ایم الطاف گروپ کی توپوں کا رخ ایم کیو ایم حقیقی کی جانب بھی ہے۔ گویا کہ ہر فریق اس قتل و قتال کے لئے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ ایک طرف کسی مجرم کا نہ پکڑا جانا جب کہ یہ سلسلہ کافی طویل عرصے سے جاری ہے اور حکومت کا ایجنسیوں کو اس سے بری قرار دینا خود اس کی اپنی پوزیشن کو مشکوک بنا رہا ہے۔ دوسری جانب لسانی اور فرقہ پرست متحارب گروپوں کا ایک دوسرے سے افہام و تفہیم کی فضا پیدا کرنے سے گریز ان کی پوزیشنوں کو بھی خراب کر رہا ہے۔

واضح رہے کہ ابھی کچھ دن قبل ایم۔ کیو۔ ایم حقیقی کے رہنما آفاق احمد نے الطاف حسین کو ایک خط کے ذریعہ مفاہمت کی پیشکش کی تھی جسے بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا گیا۔ دوسری جانب مختلف مذہبی جماعتوں کی تحریک فقہ جعفریہ اور انجمن سپاہ صحابہ کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کی کوششیں بھی ناکام رہی ہیں۔ اب ایسی صورت میں یہ متحارب گروپ ایجنسیوں کو قتل و غارت کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو آپس میں مفاہمت نہ کر کے ایجنسیوں کو موقع فراہم کر رہے ہیں کہ وہ حالات کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں۔ ایک تیسری صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ہندوستان یا کسی دوسرے ملک کے تخریب کار اس قتل و غارت میں ملوث ہوں۔ حال ہی میں آسام کے گورنر کا وزیر اعلیٰ سندھ سے ملاقات کے دوران دھمکی دینا اس بات کی واضح علامت ہے کہ ہندوستان کی ایجنسیاں بھی متحرک ہیں۔ دراصل ہندوستان کشمیر کی صورتحال کو دنیا کی نظروں سے چھپانے کے لئے کراچی میں اس قسم کی صورتحال پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ایم کیو ایم جو ایک محب وطن جماعت ہونے کی دعویدار ہے اس کے لیڈروں کے اس قسم کے بیانات کہ کراچی میں کشمیر جیسے حالات پیدا کئے جا رہے ہیں ناقابل فہم ہے۔ کوئی بھی محب وطن جماعت کسی دشمن ملک کی آواز سے آواز ملائے تو اس کی پوزیشن مشکوک ہو جاتی ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ کسی گھر میں کتنی ہی رنجش کیوں نہ ہو' سربراہ کنبہ اس صورت حال کو دوسرے خاندان سے چھپاتا ہے۔ خاص طور پر ایسے خاندان سے جس سے اس کی مخاصمت ہو۔

بہرحال اس صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کی سب سے بڑی ذمہ داری چونکہ حکومت وقت پر عائد ہوتی ہے کیونکہ یہ اپنے شہریوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی محافظ ہوتی ہے لہٰذا زیر نظر تحریر میں اسی پر بحث کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک کو شروع ہی سے غلط لائن پر ڈال دیا گیا کہ دینی رشتوں کو تو ایک طرف رکھئے' پاکستانی قومیت کو بھی اہل وطن کے دلوں میں راسخ نہیں کیا گیا۔ نتیجتاً ملک میں علاقائی' لسانی اور مذہبی فرقہ واریت نے جڑ پکڑی۔ اس صورتحال کے لئے مسلم لیگ سمیت ہر وہ سیاسی جماعت یا گروہ جو برسر اقتدار رہا ہے زیادہ ذمہ دار ہے۔ گو اپوزیشن میں رہنے والی سیاسی جماعتیں اس سے مبرا نہیں ہیں۔ عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ ان ساری لعنتوں نے جو کہ پہلے ہی پیدا ہو چکی تھیں' ضیاء الحق مرحوم کے دور میں انہیں مزید فروغ حاصل ہوا۔ مرحوم تو اپنے خالق سے جا ملے ہیں اور یقیناً اب ان کا حساب خالق حقیقی کے پاس ہے لیکن بعد کی حکومتوں کا فرض تھا کہ وہ ان لعنتوں سے ملک کو پاک کرنے کے اقدامات کرتیں۔ مگر مختلف سیاستدانوں کے بیانات' قومی اخباروں کے تبصروں اور خود حکومت کے رویہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سب ایجنسیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں کیونکہ ایجنسیاں ہی ان فرقہ وارانہ جماعتوں کی خالق بتائی جاتی ہیں اور ان سے اپنے مفادات کے تحت کام لیتی رہتی ہیں اور جب ان کے مفادات خطرے میں پڑتے ہیں تو وہ ان جماعتوں کے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ اخبارات و جرائد کے مطالعہ سے کون یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا کہ ایم کیو ایم بھی ایجنسیوں کی پیداوار ہے۔ دور کیوں جائیے جناب عظیم طارق پر ایجنسیوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کا الزام عائد کیا گیا تو اس نے ایم کیو ایم کے قائدین کے بارے میں کہا کہ وہ خود کو اس الزام سے بری نہیں کر سکتے۔ پھر جب یہ جن قابو سے باہر ہو گیا تو اسے جس بھونڈے طریقہ سے دوبارہ بوتل میں بند کرنے کی کوشش کی گئی' اس سے اندرون و بیرون ملک یہ تاثر پیدا ہوا کہ جن کی غیر جانبداری ہمیشہ شک و شبہ سے بالاتر رہی ہے' وہ بھی غیر جانبدار نہیں رہے۔ دکھ کی بات تو یہ ہے کہ اپنی غلطیوں پر نادم ہو کر اس کی تلافی کرنے کی بجائے انہیں غلطیوں کو بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ جس کا واضح ثبوت حال ہی میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے چار اہلکاروں کے قتل پر حکومت کا ردعمل ہے۔ ایک طرف تو وفاقی وزارت خارجہ یہ سند جاری کر رہی ہے کہ کوئی پاکستانی ان اہلکاروں کے قتل کا ارتکاب نہیں کر سکتا جبکہ دوسری جانب ملیر اور الفلاح کے علاقے کو گھیرے میں لے کر جس طرح وہاں کے رہنے والوں پر ظلم و زیادتی کی جا رہی ہے' یہ دونوں متضاد باتیں ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ملک میں قائم اتنی ساری ایجنسیاں ان شہریوں کے قتل عام پر مجرموں کی گرفت میں ناکام ہیں' جن کے ٹیکسوں پر یہ ایجنسیاں قائم ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اپنے فرائض

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

مسئلۂ افغانستان کی اَن کہی کہانی' ایک مجاہد لیڈر کی زبانی

پروفیسر عبدُالرّب رَسُول سیاف کا ایک چشم کشا خطاب

اسلامی انقلاب کا خواب ایک منظم جماعت کے ذریعے ہی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے

سردار اعوان

میڈیا کو آج جو وسعت اور غلبہ حاصل ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کے کسی دور افتادہ کونے میں بھی اگر کوئی قابل ذکر واقعہ رونما ہوتا ہے تو پل بھر میں اس کی خبر پوری دنیا میں پہنچ جاتی ہے۔ البتہ اس خبر میں حقیقت کا عنصر کتنا شامل ہوتا ہے' اس کا تعین ہم شاید اپنے پڑوس میں ہونے والے کسی واقعہ میں بھی نہ کر سکیں۔ یہی معاملہ اس تحریر کا ہے جو ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔ لیکن اسے پڑھ کر ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ بات تقریباً عین الیقین کا درجہ حاصل کر لیتی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ایک قیادت میں ایک جماعت سے کم تر کسی شے پر اعتماد کرنا کم از کم اپنی دنیاوی کامیابی کے امکانات سے تو پیشگی طور پر ہاتھ دھو لینے کے مترادف ہے۔

اتحاد اسلامی کے سربراہ پروفیسر عبدالرب رسول سیاف کے اپنے عرب بھائیوں کے نام عربی میں پیغام کو ٹیپ سے اتار کر "ینگ مسلم ڈائجسٹ" بنگلور نے دسمبر ۹۴ء کے شمارے میں انگریزی میں شائع کیا ہے' جس کا خلاصہ یہاں اردو میں پیش کیا جا رہا ہے۔

باری تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد : افغانستان میں یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں۔ اس جہاد کے بارے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں جس میں آپ لوگوں نے اپنے مال اور اپنی جانیں قربان کیں اور جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یہاں اسلام کا نظام قائم کیا جائے۔ ہر وہ شخص جو دنیا میں نظام اسلام کے قیام کا متمنی ہے' وہ جاننا چاہتا ہے کہ اس جہاد کا نتیجہ کیا نکلا۔ وہ منزل جس کے ہم سب نے مل کر خواب دیکھے تھے کہاں کھو گئی؟

عزیز مسلمان بھائیو! ہوا یہ کہ جونہی ہمارے سامنے امید کی چند کرنیں نمودار ہونے لگیں اسلام دشمن طاقتیں میدان میں آ گئیں۔ جو عناصر روسیوں کو افغانستان سے نکال باہر کرنے کے لئے بے تاب تھے' روسی افواج کے جانے کے بعد وہی عناصر روسیوں کے ساتھ مل کر ہمیں ناکام بنانے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے۔ انہوں نے بعض افغان دھڑوں کی جانب اپنی دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ان کے ہی خواہ بن کر انہیں ایک دوسرے کا مخالف کر دیا۔ ڈاکٹر نجیب اللہ اور سید احمد جیلانی اس وقت سے آپس میں ملاقاتیں کر رہے تھے جب ڈاکٹر نجیب کی حکومت کے ختم ہونے کے ابھی کوئی آثار نہ تھے۔ مگر اس وقت ہمیں یہ اندازہ نہ تھا کہ آگے چل کر یہ سلسلہ اس قدر سنگین شکل اختیار کر جائے گا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ فلسطین' عراق اور لیبیا کے ذریعے حزب اسلامی کے حکمت یار اور کابل کی کمیونسٹ حکومت کے درمیان سلسلہ جنبانی شروع ہو چکا ہے۔ خود حزب اسلامی کے اپنے اکثر راہنما اور کمانڈر اس سے بے خبر تھے۔ بعد ازاں بغداد میں فلسطینوں کی مدد سے ان کے درمیان باقاعدہ مذاکرات بھی ہوتے رہے۔ اپنے اس جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے حزب اسلامی والے انہی دنوں دوسرے دھڑوں کو الزام دے رہے تھے کہ وہ کمیونسٹوں کے ساتھ پینگیں بڑھا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں کو انہوں نے اس بنا پر قتل بھی کیا۔

یو - این - او کے پردے میں مغربی طاقتیں مسلسل اس کوشش میں لگی ہوئی ہیں کہ اقتدار صحیح طور پر مجاہدین کو منتقل نہ ہو سکے۔ اس مقصد کے لئے کمیونسٹ اور سیکولر عناصر کو آگے لایا گیا ہے۔ کمیونسٹ حکومت کے خاتمے سے پانچ سال پہلے کی بات ہے کہ صدر صدام حسین کا ایک آدمی میرے پاس ان کا یہ خفیہ پیغام لے کر آیا کہ صدام حسین میری اور حکمت یار کی کمیونسٹ حکومت سے مفاہمت کرانے کو تیار ہیں۔ اس کا کہنا تھا کہ حکمت یار اس کے لئے تیار ہے بشرطیکہ میں بھی اپنی رضامندی ظاہر کر دوں۔ میری طرف سے معذرت کے بعد حزب والوں کے کمیونسٹوں کے ساتھ بغداد اور لیبیا میں باقاعدہ مذاکرات ہوئے۔

جب کابل حکومت کا خاتمہ قریب تھا تو میں نے پشاور میں مقیم مختلف افغان مجاہد دھڑوں کو "دارالایتم" (پشاور) میں جمع کیا تاکہ آئندہ کے بارے میں ایک مشترک لائحہ عمل اختیار کیا جا سکے۔ ساتھ ہی میں نے مسلم دنیا کے بہت سے معروف دانش وروں کو بھی دعوت دی کہ وہ اس موقع پر یہاں آ کر ہمارے لئے خاص طور پر دعا کریں اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں۔ ان میں محمد قطب' شیخ محمد صواف' شیخ یوسف القرضاوی' شیخ مصطفےٰ مشہور' عبداللہ زید اور ابو عبداللہ جیسے حضرات شامل تھے۔ میں نے ایک ایک مجاہد لیڈر سے الگ الگ بات کی اور ہم سب نے یہ فیصلہ کیا کہ کابل میں کنٹرول سنبھالنے کے لئے سب سے پہلے پچاس آدمیوں کے ہمراہ مجددی کو بھیجا جائے۔ جو ساٹھ روز تک یہ کنٹرول اپنے پاس رکھیں۔ اس کے بعد ربانی کابل میں اسلامی حکومت کے صدر ہوں گے' جو چار ماہ تک اس عہدہ پر فائز رہیں گے۔ اس عبوری دور میں مستقبل کا ایک باقاعدہ حکومتی ڈھانچہ تیار کر کے افغانستان میں اسلامی حکومت کی مستقل داغ بیل ڈال دی جائے۔ اس عبوری عرصے میں حکمت یار وزیراعظم کے طور پر کام کریں گے۔

لیکن حکمت یار صاحب اس بات چیت میں خود شامل ہونے کی بجائے کابل کے نواح میں کمیونسٹوں کی مدد سے کابل پر دھاوا بول کر اقتدار پر اپنا قبضہ جمانے کی تیاری کر رہے تھے ان کے دو نمائندے ہمارے ساتھ

بات چیت میں شامل رہ کر در حقیقت کابل پر اپنے قبضے کے منتظر تھے' جب تک اگلے روز کابل پر حکمت یار کا حملہ ناکام نہیں ہوا' وہ ہماری منت سماجت کے باوجود معاہدے پر دستخط کرنے میں ٹال مٹول سے کام لیتے رہے۔

جب ہم مجددی کے ساتھ معاہدے کے مطابق کابل پہنچے تو حکمت یار نے پھر کابل پر گولے برسانے شروع کر دیئے۔ میں نے فون پر اس سے بات کی تو کہنے لگا کہ میں ملیشیا کو کابل سے باہر نکالنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ اس سے قبل حکمت یار ہی تھا جو ملیشیا کو معافی دلانے میں پیش پیش تھا۔ اس کا ہمارے پاس ریکارڈ موجود ہے۔

آخر کار کابل کے جنوب میں حکمت یار کے ٹھکانے پر ہماری ان سے ملاقات ہوئی۔ میرے علاوہ استاد ربانی' یونس خالص اور مولوی محمد نبی محمدی کے نمائندے اس میں موجود تھے۔ دو روز تک ہماری بات چیت ہوتی رہی' بالآخر یہ طے ہوا کہ چار روز بعد پھر ایک ملاقات ہو گی' جس میں حتمی فیصلہ کیا جائے گا۔ لیکن اس دوران میں کمیونسٹوں' شیعوں اور ملیشیا والوں کو ہماری اس بات چیت کا علم ہوا تو انہوں نے اگلی ملاقات سے مجھے باز رکھنے کے لئے میرے مورچوں پر اچانک حملہ کر دیا اور اس طرح میرا وہاں سے نکلنا ناممکن بنا دیا گیا۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد میں نے حکمت یار کے ساتھ نئے سرے سے رابطہ کیا۔ حکمت یار نے کہا جب تک کابل سے ملیشیا کو نہیں نکالا جاتا' امن قائم نہیں ہو سکتا چنانچہ میں نے حکمت یار کے کہنے پر استاد ربانی سے بات کی۔ کیونکہ مجددی کے حکومت چھوڑنے میں صرف آٹھ روز باقی رہ گئے تھے' جس کے بعد ربانی کو اقتدار سنبھالنا تھا۔ ربانی فوراً مان گئے۔ میں انہیں لے کر حکمت یار کے پاس گیا اور کہا کہ اس سے پہلے تمہارا یہ اعتراض تھا کہ مجددی سے کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی لہٰذا اس کا دور تو ختم ہوا۔ اب چند روز میں ربانی یہ عہدہ سنبھالنے والا ہے۔ یہ لو قلم کاغذ اور ان سے اپنی شرائط طے کر لو۔ اس پر حکمت یار بولا کہ مجھے ربانی کا صدر بننا منظور نہیں۔ میں نے کہا وہ کیوں؟ کہنے لگا پہلے مجددی کو یہ عہدہ چھوڑ لینے دو پھر نئے صدر کا طے کریں گے۔ میں نے کہا حکمت یار کیسی بات کرتے ہو' اتنے سال ہم مختلف دھڑوں میں رہ کر روس کے خلاف جنگ لڑتے رہے مگر کسی ایک شخص کو اپنا لیڈر ماننے پر تیار نہ ہوئے تو اب مجددی کے بعد فوراً نیا صدر کیسے منتخب کریں گے۔ اور اس دوران ملک کیا بغیر کسی سربراہ کے چلے گا؟ میں نے کہا بڑی مشکل سے سب لوگ ایک بات پر راضی ہوئے ہیں لہٰذا اسے چلنے دیں۔ مگر حکمت یار نے نہ صرف صاف انکار کر دیا بلکہ الٹا مجددی کو پیغام بھجوا دیا کہ تم یہ عہدہ نہ چھوڑنا' ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔ حالانکہ اس سے قبل حکمت یار کا سارا اختلاف ہی یہ تھا کہ مجددی کیوں صدر بنا ہے۔ بہرحال مجددی نے صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی' مگر اسے یہ عہدہ خالی کرنا پڑا۔

ایک بار پھر کچھ عرصہ بعد میں یونس خالص' دیگر علماء اور کچھ سرکردہ افراد کو لے کر حکمت یار کے پاس گیا اور وہاں ہم نے طے کیا کہ تین روز بعد ہم سب اکٹھے ربانی سے ملیں گے اور کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن ابھی ایک دن ہی گزرا تھا کہ حکمت یار نے کابل پر گولہ باری شروع کر دی۔ میں نے حکمت یار سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن ادھر شیعہ اور کمیونسٹ دھڑوں نے میرے علاقے میں جنگ شروع کر دی۔ اس میں چھ ہزار لوگ مارے گئے۔ مگر اس کے باوجود میں نے اپنی کوشش جاری رکھی اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے حکمت یار اور ربانی کے درمیان نہ صرف جنگ بند کرانے میں کامیاب ہو گیا بلکہ دونوں کو اپنے گھر میں آمنے سامنے لا کر بٹھا دیا۔ لیکن ادھر شیعہ دھڑے اور ملیشیا کو اس کا علم ہو گیا اور انہوں نے میرے گھر پر گولے برسانے شروع کر دیئے جس کی وجہ سے یہ ملاقات درمیان میں ہی رہ گئی۔

انہی کوششوں میں ربانی کے عہدے کی میعاد بھی ختم ہونے کو آ گئی۔ میں پھر حکمت یار کے پاس گیا اور کہا کہ ربانی جانے والا ہے' اب تو آئندہ کے لئے کوئی سوچو۔ چنانچہ ہم سب نے مل کر ایک کمیٹی تشکیل دی' جس میں میرے علاوہ محمد امین' محمد زمان مزمل' ڈاکٹر انور' سعید نوراللہ' عماد اور یونس خالص کے نائب شامل تھے۔ ہمارے درمیان یہ طے پایا تھا کہ کمیٹی جو بھی فیصلہ کرے گی' سب اس پر عمل کریں گے۔ اگلے روز ادھر ہم پشاور میں میٹنگ کر رہے تھے' ادھر حکمت یار نے مجددی اور مزاری (شیعہ راہنما) کو الگ سے بات چیت کے لئے پیغام بھجوا دیا' جس کے بارے میں بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ حکمت یار اور مزاری نے دوبارہ مجددی کو لانے کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن جب حکمت یار کی طرف سے یہی تجویز کمیٹی کے سامنے آئی تو کمیٹی نے دوبارہ مجددی کے بجائے ربانی کے عہدہ کی میعاد میں ہی ۴۵ دن کی توسیع کر دینا زیادہ مناسب سمجھا اور کہا کہ ان دنوں میں ایک ہی بار جو فیصلہ کرنا ہے کر لیں۔ میں یہ بتانے حکمت یار کے پاس گیا تو اس نے صاف صاف بتا دیا کہ میں نے شیعوں کے ساتھ یہ طے کیا ہے کہ سب سے پہلے تمہیں پشاور سے باہر کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اس روز سے لے کر آج تک یہ لوگ میرے علاقے میں جنگ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی طرف سے پہل کرنے کے باوجود میں نے حزب والوں کو جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ میں کیسے جواب دیتا! مگر جب ہمارا جانی نقصان حد سے بڑھنے لگا تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ انہیں جواب دیا جائے۔ اس کارروائی میں ہمارے دو ہزار مجاہد شہید ہو چکے ہیں۔

بہرحال اس کے بعد بھی کئی دفعہ امن مذاکرات ہو چکے ہیں' جن میں تمام مجاہدین کے گروپ شامل رہے۔ ان کے نتیجے میں ایک معاہدہ بھی ہوا جو اسلام آباد' مکہ معاہدہ کہلاتا ہے۔ اس میں بھی یہی بات طے ہوئی کہ ربانی بطور صدر اور حکمت یار بطور وزیراعظم کام کریں مگر حکمت یار کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ نہ شوریٰ کی بات سنتے ہیں اور نہ دوسرے کسی رہنما کی!۔ اس کے پاس اپنے مورچوں کے علاوہ افغانستان میں ایک انچ بھی زمین نہیں ہے۔ میں نے پشاور آ کر اسے وزیراعظم کا عہدہ سنبھالنے کی دعوت دی اور میرے گھر میں انہوں نے اپنا دفتر قائم بھی رکھا جبکہ میں گھر کے دروازے پر ان کے محافظ کے طور پر کھڑا ہوتا۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ واقعات ایسے رونما ہو گئے جن میں ربانی کی طرف سے کوتاہی کا اشارہ ملتا تھا۔ اس پر حکمت یار نے پھر کابل پر حملے شروع کر دیئے۔ حالانکہ یہ واقعات ایسے سنگین بھی نہ تھے کہ جنگ کے سوا چارہ نہ تھا۔ میں نے بات کی تو حکمت یار نے شکایات کا ڈھیر لگا دیا۔ میں نے تجویز دی کہ بھائی ایک کمیٹی بنا دیتے ہیں' اسے فیصلہ کرنے دیں کہ کیا کرنا چاہئے۔ کہنے لگے مجھے منظور ہے ربانی نے بھی اس سے اتفاق کر لیا۔ مگر اگلے روز حکمت یار نے شیعہ اور کمیونسٹ دھڑوں سے ایک نیا معاہدہ کر کے ان ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔

تو جناب یہ ہے ہماری صورت حال۔ حکمت یار آج شیعوں اور کمیونسٹوں کے جال میں اس قدر پھنس چکا ہے کہ اسے اپنے پرائے یا اچھے برے کی کوئی تمیز باقی نہیں رہی۔ آپس کی ان لڑائیوں میں اب

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

وطن سے ہزاروں میل دور بیٹھے نوجوان جذبہ غیرت اور خودداری کی تصویر ہیں

اللہ کے یہ شیر روسی ریچھ کو مار بھگائیں گے

چیچنیا کے جہاد آزادی کی روداد' چیچنی طلبہ کی زبانی

پرویز حمید

جب روسی فیڈریشن کے ٹڈی دل لشکر نے چیچنیا کی چھوٹی سی ریاست پر حملہ کیا تو دنیا کے کروڑوں انسان سابقہ سوویت یونین کے نقشوں پر چیچنیا کو ڈھونڈتے رہ گئے۔ چیچنیا کا حدود اربعہ کیا ہے؟ یہ کہاں واقع ہے؟ اس کی آبادی کتنی ہے؟ یہاں کیا پیدا ہوتا ہے اور وہ کیا خصوصی دلچسپیاں ہیں جن کی وجہ سے روس کی افواج قاہرہ اس چھوٹی سی غیر مشہور ریاست پر حملہ آور ہو گئی ہیں۔ جب ان وجوہات کی تلاش میں نکلے تو پتہ چلا کہ روسی فیڈریشن کے پڑوس میں واقع اس چھوٹی سی ریاست کی بڑی شاندار سیاسی اور مذہبی تاریخ ہے۔ چیچن مشاہیر عالم اسلام کے ماتھے کا جھومر ہیں اور یہاں کے بہادر عالمی انسانی آزادی کی تاریخ کے نامور ہیرو ہیں۔ یہاں کے لوگ دنیا کے انتہائی جفاکش اور محنتی لوگ ہیں اور گزشتہ کئی صدیوں سے عالمی ادب میں یہاں کے لوگ مثالی کرداروں کے روپ میں جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ بہادری' دریا دلی کی کہانیوں میں' عقل و دانش اور آزادی کی جدوجہد کے قصوں میں' عشق و محبت' حسن و شاعری' پختگی ایمان' محنت و دیانت' یہ سب کہانیاں ہی نہیں ان کی صفات ہیں۔ یہاں بڑے بڑے صوفیاء پیدا ہوئے اور یہاں کے بہادروں نے نئی تاریخ مرتب کی۔ زار روس چیچنیا کے لوگ کسی بادشاہ کے زیر نگیں ہونے پر موت کو ترجیح دیتے رہے۔ چیچنیا جسے مقامی زبان میں شیشناء کہا جاتا ہے' یہاں کے مردوں کو ترکی' ایرانی اور عربی ادب میں جن اور دیو کہا گیا ہے' جو بہت طاقتور اور ہٹیلے ہوتے ہیں۔ یہاں کی خواتین کو پریوں سے تشبیہیں دی گئیں' جو بہت ہی بہادر' باعصمت' باعفت اور حسین و جمیل ہوتی ہیں۔ یہاں کے زاہدوں اور عابدوں نے اپنی عبادات زہد و تقویٰ سے بہت بلند مقامات حاصل کئے۔ تسلیم و رضا کی تمام منازل طے کیں۔ قناعت کی مثالیں قائم کیں اور جب بھی کسی نے انکی آزادی چھیننے کی کوشش کی تو چیچنیا کے سارے لوگ کندھے سے کندھا ملا کر دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن گئے۔ چیچنیا کی زمین کا کوئی ٹکڑا اگر کبھی کسی غاصب کے قبضہ میں رہا بھی ہو گا تو اس پر کوئی غاصب زیادہ دیر تک اطمینان کی نیند سو نہیں سکا۔ چیچن مجاہدین نے جب تک اپنے ان علاقوں کو آزاد نہیں کرا لیا چین کی نیند نہیں سوئے۔ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا' ہنسی خوشی کی کوئی تقریب منعقد نہیں کی۔

روس کی علامت ہے ریچھ اور چیچنیا کی علامت ہے چیتا' یہ ریچھ اور چیتے کی لڑائی ہے اور یہ لڑائی کئی صدیوں سے جاری ہے۔ چیچنیا کے چیتوں نے ہمیشہ روسی ریچھوں کو مار مار کر بھگا دیا ہے اور اس موجودہ لڑائی میں روس کے پاس اگرچہ جدید ترین جنگی ٹیکنالوجی موجود ہے اس کے باوجود روسی ریچھ چیچنیا کے بہادر چیتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بھاگنا اور شکست کھانا ہی ان کا مقدر ہے۔

ہم سید مودودی انٹرنیشنل اسلامک ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ میں بیٹھے تھے اور ہمارے سامنے چیچنیا کے بیس سے زائد طلباء بیٹھے ان خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ ان طلباء میں تیرہ چودہ برس کے نوجوانوں سے بیس پچیس برس تک کے نوجوان شامل تھے۔ یہ سب پرجوش جذبات سے بھرے ہوئے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور بیٹھے دین کی تعلیم حاصل کرنے آئے تھے اور دین جس کے بارے میں خالق کائنات نے کہہ دیا تھا کہ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آج تم پر اپنا دین مکمل کر دیا" اور یہ وہ دین ہے جس میں ہر انسان کے لئے مہد سے لحد تک تمام مصروفیات اور ضروریات کا ایک طریقہ کار ضابطہ حیات اور مربوط نظام بنا دیا ہے۔ بیٹا باپ سے کس طرح پیش آئے گا' بیٹی ماں سے کیا تعلق رکھتی ہے' ماں کا بچوں کے لئے کیا مقام ہے' باپ کی کیا حیثیت ہے' ماں کا بچوں کے لئے کیا مقام ہے' باپ کی کیا حیثیت ہے' بہن بھائی کا رشتہ کیا اہمیت رکھتا ہے' خاندان کیا ہوتا ہے' قبیلہ کیا ہے' پڑوسی کیا ہوتا ہے' اس کے کیا حقوق ہیں۔ معاشرے میں مالدار کی کیا حیثیت ہے اور غریب کا کیا مقام ہے۔ مسکین کس کو کہتے ہیں اور امین کون ہوتا ہے' حاکم کون ہوتا ہے اور محکوم کے کیا حقوق ہیں۔ عامل کون ہے اور عوام کون ہیں۔ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں ان کا مقام اور غیر مسلموں کا مقام کیا ہو گا۔ تجارت کے لئے تاجروں کا اخلاق کیا ہو گا اور گاہک کو محاسبہ کے کیا حقوق حاصل ہیں۔ مسلمانوں کی حکومت عوام کو کیا دے گی اور عوام کو ان سے کیا توقعات رکھنا چاہئیں۔

جی ہاں! یہ اسلامی تعلیمات کی بات ہے' جس میں میاں بیوی کے تعلقات سے لے کر حاکم اور فقراء کے حقوق تک کا تعین ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور آپ کی وساطت سے ہمیں مکمل تعلیم قرآن حکیم کی صورت عطا کی گئی ہے اور چیچنیا کے یہ نوجوان اسی نور ہدایت کی تعلیم کے لئے پاکستان کے دل لاہور شہر کے ایک باوقار اور اعلیٰ تعلیمی ادارے میں بیٹھے ہیں۔ ان تمام طلباء کے چہرے روشن اور آنکھیں چمک دار ہیں۔ ان کے بشروں سے گھبراہٹ' پریشانی یا اعزہ پر امڈ آنے والی جنگ کا خوف نہیں ہے۔ ان چھوٹے بڑے نوجوانوں کے چہروں پر زردی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ہم نے ان سے سوال کیا کہ آج چیچنیا میں جنگ کی کیا صورتحال ہے؟

ایک نوجوان نے چیچنیا کی زبان میں بڑے پرجوش انداز میں کچھ کہا ہمارے فاضل ترجمان پروفیسر میاں طارق حسین انجم نے کہا یہ نوجوان کہہ رہا ہے کہ

کل میں نے گروزنی میں اپنے گھر والدین اور بہن بھائیوں سے بات کی ہے۔ نوجوان نے کہا میرے والدین بہن بھائیوں اور دیگر افراد خانہ نے کہا ہے کہ ہم اپنے وطن کی حفاظت کے لئے تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ روسی ریچھ چیچنیا کے چیتوں کے سامنے بزدل اور مکار لومڑیوں کی طرح بھاگ رہے ہیں۔ چیچنیا کی کل آبادی سے زیادہ بڑی فوجوں کے ساتھ اور ہر قسم کے جدید ہتھیاروں سے لیس یہ بزدل دشمن اور اپنی عددی اکثریت' ٹینکوں اور میزائلوں پر ناز کر رہے ہیں۔ ان کا اپنے ہتھاروں پر بھروسہ ہے اور ہمیں اپنے وطن عزیز' دین متین' ذات باری تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر بھروسہ ہے۔ آپ لوگ گھبرائیں بالکل نہیں چیچنیا کے بہادر چیتے زار روس کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں۔ امام منصور اور امام شامل جیسے عالمان باعمل مجاہدین سے لے کر آج تک روسی کبھی بھی چیچنیا پر اقتدار حاصل نہیں کر سکے اور اس دفعہ بھی انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔

نوجوان نے کہا کہ میں نے کہا کہ ہم وطن واپس آ جائیں تاکہ آپ کے دوش بدوش شانہ بشانہ روسی ریچھوں سے مقابلہ کریں۔ اس پر نوجوان کے والدین نے کہا آپ لوگ علم حاصل کریں دین کا بھی اور دنیا کا بھی۔ آپ لوگ پوری توجہ تعلیم پر دیں' ملک کے تحفظ کے لئے ہم اور ہمارا اللہ کافی ہے۔ چیچن نوجوان نے یہ الفاظ اپنی زبان میں ادا کئے۔ وہاں موجود ایک باریش چیچن نوجوان جناب شہید نے اس کا عربی زبان میں ترجمہ کیا جسے پروفیسر طارق حسین انجم نے ہمارے لئے اردو میں ترجمہ کیا۔

چیچنیا' داغستان' جارجیا' آذر بائیجان' آرمینیا' نکورا کاراباخ یہ روسی ترکستان کی پرانی ریاستیں ہیں۔ انہیں کاکیشین سٹیٹس یا قفقاز ریاستیں بھی کہتے ہیں۔ ان تمام ریاستوں کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ اردو' فارسی اور عربی زبان کے ادب میں ایک معروف دیومالائی پہاڑ کوہ قاف کے سلسلے کے ساتھ ساتھ برف پوش علاقوں پر مشتمل ہے اور اس پہاڑ کے دامن میں واقع بے شمار قوموں اور نسلوں کے لوگ بستے ہیں۔ یہ لوگ جسمانی طور پر نہایت مضبوط' صحت مند اور خوبصورت ہیں۔ کوہ قاف کی پریاں اور یہاں کے جن ایسی ہی حقیقتوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔

چیچنیا اور داغستان باہم متصل دو ریاستیں ہیں۔ زار روس نے آج سے دو سو برس قبل ان ریاستوں کی سرسبزی' شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے ان پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنایا اور ان ریاستوں پر اپنی فوجیں باقاعدہ طور پر ان ریاستوں کو فتح کرنے کے لئے بھیجیں۔ اس زمانہ میں چیچنیا میں امام منصور اور داغستان کے امام شامل" نے ان فوجوں کی زبردست مزاحمت کی۔ زار شاہی فوج کو کئی برس تک مسلسل ان دونوں ریاستوں کی فوجوں اور عوام سے لڑنا پڑا۔ امام شامل" بیس برس تک روسی فوج کے خلاف گوریلا جنگ لڑتے رہے۔ وہ داغستان اور چیچنیا کے گھنے جنگلوں اور پہاڑی سلسلوں میں اپنے فوجی دستوں کے ساتھ روپوش رہے اور جہاں انہیں موقع ملتا وہ روسی فوجوں پر اپنے گوریلا دستوں کے ساتھ پل پڑتے اور اس وقت کے ایک روسی جرنیل نے زار شاہی کی روسی فوجوں کو پہنچنے والے نقصان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ امام شامل" کے ساتھیوں نے روسی فوجوں کو اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ ہم اس نقصان کے نہ پہنچنے کی صورت میں پورا ترکستان اور جاپان تک فتح کر سکتے تھے۔ اس بات سے ظاہر ہے کہ کوہ قاف کی ان سنگلاخ وادیوں اور میدانوں میں رہنے والے مسلمان کس قدر بہادر' غیور اور جانباز ہیں۔ اس وقت بھی روس کے کم از کم تین لاکھ فوجی بھاری بکتر بند' ٹینک ڈویژن اور میزائلوں سے لیس ڈویژن گذشتہ پچیس روز سے گیارہ لاکھ کی آبادی والی چھوٹی سی ریاست پر حملہ آور ہیں اور بین الاقوامی ذرائع ابلاغ پر چیچنیا کی فوجوں کی صورتحال جو دکھائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں چار پانچ چیچن فوجی دکھائے جاتے ہیں ان کے پاس بندوق یا دیگر آلات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں' جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ کوئی باقاعدہ فوج نہیں ہے۔ جس کو جو ہتھیار ملا اس کو لے کر وہ جہاد کے لئے چل کھڑا ہوا۔

دوسری طرف بین الاقوامی ذرائع ابلاغ نے یہ مناظر بھی دکھائے ہیں کہ روسی فوج کا ایک اہم جرنیل چیچنیا کے ان بے سروسامان فوجیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ سینکڑوں روسی فوجی روز مارے جا رہے ہیں۔ بہادر چیچن چیتوں کی طرح لپک لپک کر روسی ریچھوں کو جہنم واصل کر رہے ہیں۔ روسی فوج کثرت میں ہونے کے باوجود بہت خوفزدہ ہے۔ اس وقت تک تین روسی نائب وزیر اعظم اور وزراء احتجاجاً مستعفی ہو چکے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افغانستان میں روسی فوجوں کو جو عبرتناک شکست ہوئی تھی اس گراں ترین تجربے کے بعد روسی امپائر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ روسی توسیع پسندوں کو افغانستان پر قبضہ کرنے کی ہوس کا جواب اپنی ہی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے مل گیا پھر اس کے بعد اب اس روسی فوج نے چیچنیا پر حملہ کیوں کر دیا؟

سید مودودی انٹرنیشنل اسلامک ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ میں زیر تعلیم نوجوانوں نے اس مشکل سوال کا جواب بھی بڑے ہی آسان لفظوں میں دے دیا۔

۱.... روسی حکومت نے چیچنیا کی جمہوری حکومت کو روسی فیڈریشن کا ایک حصہ قرار دیا۔ جس پر چیچنیا کی اسلامی جمہوری حکومت نے واضح طور پر اعلان کیا کہ ہمارا روسی فیڈریشن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک خود مختار ملک ہیں اور وسطی ایشیا کی دیگر ریاستوں کی طرح سوویت یونین کے چنگل سے آزادی حاصل کر چکے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے بالشویک انقلاب سے قبل بھی چیچنیا ایک آزاد جمہوریہ تھی اور آج بھی ہم ایک آزاد اسلامی جمہوریہ ہیں۔ روسی فیڈریشن میں کسی قیمت پر بھی شامل نہیں ہوں گے۔

۲.... وجہ یہ ہے کہ چیچنیا گندم کی پیداوار کے لئے اس خطہ میں سب سے زرخیز علاقہ ہے۔ اس سرزمین میں گندم کی پیداوار بہت بھرپور ہوتی ہے۔ جس سے سابقہ سوویت یونین کی آبادی کا بہت بڑا حصہ ڈبل روٹیاں کھاتا تھا۔ آج اگر چیچنیا روسی فیڈریشن میں شمولیت نہ کرے تو روسی فیڈریشن کو اپنی ڈبل روٹیوں کے لئے گندم چیچنیا اور دیگر ممالک سے درآمد کرنا پڑے گی۔

۳.... چیچنیا کی حکومت اسلامی قوانین اور اسلامی طرز حکومت اختیار کر رہی ہے۔ روسی فیڈریشن کو خطرہ ہے کہ اگر چیچنیا میں اسلامی نظام حکومت قائم ہو گیا تو پھر وسطی ایشیاء کی ان تمام مسلمان ریاستوں کی ایک بڑی فیڈریشن بن سکتی ہے جو روسی فیڈریشن کے لئے ایک زبردست خطرہ بن جائے گی۔ نیز اگر یہ سب ریاستیں اکٹھی ہو گئیں تو روسی فیڈریشن' یوکرائن اور دیگر چند طاقتور نو آزاد جمہوریاؤں نے پورے سوویت یونین کے مشترکہ وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے اور کمزور جمہوریاؤں کو اس سے کوئی حصہ نہیں دیا جا رہا۔ یہ ریاستیں وصول کرنے کے قابل ہو جائیں گی۔ نیز روسی فیڈریشن کے مقابلہ میں ایک زبردست طاقتور اور مضبوط اسلامی ممالک کی فیڈریشن بن سکتی ہے۔

۴.... چیچنیا میں بہت بڑے آئل فیلڈز ہیں اور اس جمہوریہ میں آئل ریفائنریز کی صنعت بھی بڑی ترقی یافتہ حالت میں موجود ہے۔ روسی فیڈریشن کا

خیال ہے کہ اگر یہ آئل ریفائنری کی صنعت اور ایسے وسیع آئل فیلڈز روسی فیڈریشن کے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر نو آزاد مسلم ریاستوں کو جو طاقت مل سکتی ہے' اس سے وہ محروم ہو جائیں گے۔

۵.... چیچن طالب علموں کا یہ خیال بھی ہے کہ روسی فیڈریشن اپنے پاس پڑوس میں کوئی مضبوط اور خوشحال ریاست کو نہیں دیکھنا چاہتی۔ نیز زار روس کے زمانہ سے ہی روسی حکومت چیچنیا کی آزادی اور خود مختاری کو اپنے لئے ایک چیلنج خیال کرتی رہی ہے۔ آج بھی روسی اسی پریشانی میں مبتلا ہیں کہ چیچنیا کو آزاد نہیں روس کا غلام ہونا چاہئے۔

چیچنیا کے طلباء کو جب ہم نے کہا کہ پاکستان کے عوام چیچن عوام کی اس جدوجہد میں مکمل طور پر اپنے بھائیوں کے ساتھ ہیں۔ ہمیں بتایئے کہ ہم آپ کے لئے کیا کریں.... تو ان نوجوان طلباء نے ہمارے ساتھ بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کی طرح اب بھی روسی ریچھوں کو چیچن چیتوں کے ہاتھوں شکست فاش نصیب کرے۔

"پاک چیچنیا دوستی زندہ باد"

☆ ☆ ☆

روس سے آزادی حاصل کرنے والی مسلمان ریاستوں میں سے ایک چیچنیا جسے مقامی زبان میں شستان کہا جاتا ہے کے تقریباً ۲۷ طلبہ آج کل لاہور میں قائم دینی تعلیم کے ادارہ سید مودودی انسٹی ٹیوٹ میں زیر تعلیم ہیں۔ یہ انکشاف ہونے پر "خبریں" کے انسٹی ٹیوٹ کے ڈائریکٹر محمد شریف قریشی اور پروفیسر طارق حسین انجم سے رابطہ کیا تو انہوں نے چیچنیا کے طلبہ کی موجودگی تسلیم کرتے ہوئے مدعا دریافت کیا۔ جب انہیں بتایا گیا کہ خبریں اپنے قارئین کے لئے ان سے انٹرویو کرنا چاہتا ہے تو اس پر انہوں نے حامی بھر لی۔

گزشتہ دنوں ہلکی ہلکی بارش کے دوران جب خبریں کی ٹیم وحدت روڈ پر واقع سید مودودی انسٹی ٹیوٹ پہنچی تو "چیچنیا" کے طلبہ نے بڑی گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس موقع پر ۲۷ میں سے اٹھارہ طلبہ شہید' مسلم' سعید عندی' محمد الیاس' علان' محمد صالح واخا' تیمور' عالم خان' خاص محمد' رستم' خواچیک' موصر' حسن بیگ' بیگ خان' ابراہیم سبز' اسلان' بشیر اور جمیلت موجود تھے جبکہ بلال' محمد صالح' محمد انوار عندی' ایوب واخا' مصیب صلاح الدین' ابراہیم واخا اور سلمان اپنی تعلیمی اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے آڈیٹوریم میں نہ آسکے۔

اس سے قبل کہ ان سے فرداً فرداً حال احوال دریافت کیا جاتا' وہ فرط جذبات میں آگے آ' آ کے ہاتھ ملاتے رہے۔ اس کے بعد وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ جس کے بعد سلسلہ گفتگو شروع ہوا۔ خبریں کی طرف سے اردو میں سوال کیا جاتا جس کا جواب "چیچن" طلبہ عربی میں دیتے۔ انسٹی ٹیوٹ کے پروفیسر طارق حسین انجم اس بات چیت کے دوران مترجم کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ زیادہ تر جواب شہید نامی طالب علم نے دیئے جو عمر میں نسبتاً سب سے بڑے ہی نہ تھے بلکہ تمام طلبہ انہیں ہی جواب دینے کے لئے کہتے رہے۔

خبریں.... آپ کے ملک کے حالات کیسے ہیں؟

شہید..... بہت خراب ہیں۔

خبریں.... آپ کے ملک کی آبادی کتنی ہے؟

شہید..... تقریباً گیارہ لاکھ

خبریں.... مسلمانوں کا تناسب؟

شہید..... اٹھانوے فیصد

خبریں.... باقی کون سی اقوام ہیں؟

شہید..... کچھ روسی ہیں باقی عیسائی اور یہودی

خبریں.... لوگوں کا زیادہ تر پیشہ کیا ہے؟

شہید..... زراعت ہے اور گندم کی کاشت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

خبریں.... آپ کے ہاں ثقافت کیسی ہے' یعنی اس پر غلبہ اسلامی ہے یا...؟

شہید..... یورپی طرز کی ہے جبکہ پاکستان میں اسلامی ہے۔

خبریں.... ایک بار پھر آپ کے پیارے دیس کے بارے میں.... آپ کیا سمجھتے ہیں کہ روس چیچنیا سے کیا چاہتا ہے؟

شہید..... وہ گروزنی پر قبضہ کرنا چاہتا ہے' چیچنیا کی دولت اور خصوصاً تیل سے اسے خاصی دلچسپی ہے۔

خبریں.... آپ کی اطلاعات وہاں ہونے والی جنگ کے بارے میں کیا ہیں؟

شہید..... مسلسل حملے ہو رہے ہیں اور مجاہدین کافروں کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں۔

خبریں.... روس کے پاس تو اپنا تیل ہے' اس کے پاس تو ترقی کے اور بھی مواقع ہیں؟

شہید..... لیکن ایک اسلامی ریاست کا قیام اسے بالکل پسند نہیں۔

خبریں.... چیچنیا ہی تو اسلامی ریاست نہیں' روس سے آزادی حاصل کرنے والی اور بھی تو مسلمان ریاستیں ہیں؟

شہید..... چونکہ چیچنیا کے عوام امام شامل ؒ کے بتائے ہوئے اصولوں پر چلتے ہوئے اللہ کے دین کی حکمرانی کے لئے مصروف عمل ہیں اور وہ چیچنیا کو خالصتاً اور مثالی اسلامی ریاست بنانے کے خواہاں ہیں اس لئے روسیوں کو یہ بات بالکل پسند نہیں کہ اگر چیچنیا میں اسلامی ریاست قائم ہو جاتی ہے تو دوسری ریاستیں اس کی تقلید کریں گی۔ روسیوں کو تو یہ بھی شبہ ہے کہ کہیں نو آزاد مسلم ریاستیں باہم مدغم ہو کر ایک بڑی طاقت نہ بن جائیں۔

خبریں.... آپ پاکستان میں دینی تعلیم کے لئے آئے ہیں' یہاں کے لوگ آپ سے کس طرح ملتے ہیں؟

شہید..... بڑا احترام دیتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت سے جب انہیں یہ پتہ چلا ہے کہ روس نے ہماری ریاست پر حملہ کیا ہے' پاکستانی زیادہ سرگرمی اور جوش سے ملتے ہیں۔

خبریں.... یہاں کے رسم و رواج کیسے لگے یا چیچنیا اور پاکستان میں اس کا کوئی فرق محسوس ہوا؟

شہید..... یہاں ہم ایسے کسی پروگرام میں شریک نہیں ہوئے' رہی بات چیچنیا کی تو وہاں جو لوگ اسلام کو سمجھتے ہیں وہ موسیقی وغیرہ سے اجتناب کرتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو اس کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

خبریں: چیچنیا کے عوام روسیوں کا کب تک مقابلہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

شہید: لڑائی ہم نے نہیں روسیوں نے شروع کی ہے' یہ آخری فتح تک جاری رہے گی۔

شہید کے اس جواب کے بعد وہاں موجود چیچن طلبہ نے بپھرے ہوئے اور غصیلے انداز میں مکے ہوا میں لہرانا شروع کر دیئے۔ وہ پرجوش تھے ان کے ولولے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ روسیوں سے ہی نہیں کسی دوسری طاقت کے سامنے بھی جھکنا نہیں جانتے کیونکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے سامنے جھکنا جانتے اور اسے ایمان سمجھتے ہیں۔

محمد نواز چوہدری

(بشکریہ روزنامہ خبریں' ۱۴ جنوری)

سندھ کے ایک عالمِ دین کا مکتوب

امیرِ تنظیم اسلامی کی مہاجر صوبے کی تجویز کے

خلاف سندھی اخبارات کا شدید ردِ عمل

بخدمت گرامی قدر برادرم اقتدار احمد صاحب' دام ظلہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ'

مزاجی گرامی بخیریت مطلوب

محترم ڈاکٹر صاحب کی ۳ جنوری کی کراچی پریس کلب میں پریس کانفرنس پر یہاں سندھی اخبارات میں بہت بڑے پیمانے پر سخت تنقید ہوئی ہے۔ پہلے تو ۴ جنوری کے اخبارات میں ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا۔ سندھ کے ایک کثیر الاشاعت روزنامہ "کاوش" نے جس کی اشاعت تو اتنے بڑے پیمانے پر ہے کہ مجموعی سندھی اخبارات (تقریباً چھوٹے بڑے بیس) کی تعداد سے بھی دوگنا زیادہ ہے اور غالباً تین چار لاکھ سرکولیشن ہے۔ انہوں نے بھی اپنی ۴ جنوری کی اشاعت میں تین کالمی سرخی لگائی اور ساتھ تین چھوٹی سرخیاں بھی قائم کیں' ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

۱) سندھ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک جدا صوبہ بنایا جائے' ڈاکٹر اسرار احمد

۲) مہاجر الگ صوبے کے لئے تحریک چلائیں اور اس بارے میں کسی سے بھی مت ڈریں۔

۳) ملک میں اردو کی جگہ عربی کو قومی زبان قرار دیا جائے اور پارلیمانی نظام ختم کیا جائے۔

۴) بنگالیوں نے کہا تھا کہ ہم نے پنجابیوں کی غلامی کے لئے پاکستان نہیں بنایا تھا اور اب مہاجر بھی ایسے ہی کہتے ہیں۔

اس کے بعد اپنی ۵ جنوری کی اشاعت میں ڈاکٹر صاحب کے اس بیان پر اپنا ایک طویل اداریہ تحریر کیا ہے۔ اس کے بعد سندھی قوم پرست رہنماؤں' جن میں ممتاز بھٹو سرفہرست ہے کے مذمتی بیان آنے شروع ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان اور روز نامہ کاوش کا طویل اداریہ دونوں کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھیج رہا ہوں۔

گرامی قدر! سندھ میں ہر ایک سندھی سمجھتا ہے کہ سندھ ناقابل تقسیم ہے۔ اس کے خلاف جو بھی بات کرتا ہے تو وہ اسے اپنا دشمن نمبر ایک سمجھتے ہیں۔ یہ بات ہر ایک میں قدر مشترکہ ہے' چاہے اس کا تعلق کسی بھی جماعت سے ہو۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان مجموعی سندھی آبادی کے جذبات سے ٹکراؤ کھایا ہے اور ان کے جذبات مشتعل بھی ہوئے ہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب یا تنظیم اسلامی ایک فریق کی حیثیت سے بیچ میں آ گئے ہیں۔ جبکہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تاثر غلط ہے' نہ ہی ڈاکٹر صاحب سندھ کی تقسیم چاہتے ہیں اور نہ ہی تنظیم اسلامی۔ تو اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے سندھی اخبارات میں اس بیان کی وضاحت آنی چاہئے اور موثر طریقے سے آئے۔ اس لئے عرض ہے کہ اگر آپ کی طرف سے وضاحت اور مواد ملے تو راقم الحروف ایک مدلل مضمون لکھ کر انشاء اللہ العزیز سارے سندھی اخبارات کو بھیج دے گا۔ "گر قبول افتد زہے عز و شرف"۔

آج ۹ جنوری کے روزنامہ کاوش میں مسٹر ممتاز علی بھٹو کا بیان چھپا ہے۔ جس میں اس نے ڈاکٹر صاحب اور دیگر کی اس توجیہہ کہ سندھ سمیت دیگر صوبوں کو بھی مزید صوبوں میں بانٹ دیا جائے۔ جی چاہتا ہے کہ ممتاز بھٹو کے اس بیان کا یہ حصہ آپ کو بھیجوں تاکہ دوسرا پہلو بھی آپ کے سامنے رہے پھر اچھی طرح وضاحت کریں۔

"جو لوگ مزید صوبے بنانے کی تجویز پیش کرتے ہیں' وہ بیوقوفی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہاں صوبوں کی نہیں بلکہ قوموں اور ان کے حقوق کا سوال ہے۔ سندھی' بلوچ' پشتون اور سرائیکی تو اپنے علاقوں میں اپنے حقوق مانگ رہے ہیں اور پنجاب کی بالادستی سے نجات حاصل کرنے کے منتظر ہیں۔ اب یہ مسئلہ صوبے بڑھانے سے کیسے حل ہو سکتا ہے؟ سندھ کو چاہے ایک سو صوبوں میں تقسیم کرو' پھر بھی یہ دھرتی سندھ اور اس کے لوگ سندھی ہوں گے۔ یہی بات دیگر قوموں اور علاقہ جات پر بھی لاگو ہے۔ یہاں ایک علاقہ میں پہلے ہی بہت ضلعے بنے ہوئے ہیں۔ اگر ان کو اضلاع کی جگہ صوبے کہا جائے تو کیا ہو گا؟ مسئلہ قوموں کے حقوق کا ہے' مزید انتظامی یونٹس کا نہیں"۔

حضرت ڈاکٹر صاحب اور احباب کو تحفہ تسلیمات عرض کیجئے گا۔

فقط والسلام محمد رمضان عفی عنہ

استاذ

جامعہ حمادیہ کھوڑا۔ گمبٹ ضلع خیرپور میرس۔ سندھ

بیسویں صدی میں ماہرین اقتصادیات ریاضی کو تو بہت اونچا لے گئے۔ مگر یہ بنیادی سوال ہنوز تشنہ تکمیل ہے کہ معاشی ترقی کے پیچھے کون سے عناصر کار فرما ہوتے ہیں۔ ایک مکتبہ فکر' جس کا تعلق گذشتہ دو سو سال سے لے کر آدم سمتھ تک ہے' یہ ہے کہ دولت کھیتوں اور کارخانوں کی مرہون منت ہے۔ اس کے برعکس برطانیہ کے جان مینارڈ کینز (John Maynard Keynes) کے جانشینوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ صارفین کی قوت خرید میں اضافے سے معاشی ترقی وجود میں آتی ہے۔ مگر یہ دیرینہ بحث اب ایک نیا رخ اختیار کرتی نظر آتی ہے' جس کا خالق انتالیس سالہ "پال رومر" ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "یہ نئے نئے خیالات ہیں جو معاشی ترقی کو آگے بڑھاتے ہیں"۔

رومر' جو کیلیفورنیا یونیورسٹی' برکلے میں استاد ہیں' سرمایہ کاری کے مخالف نہیں' مگر وہ کہتے ہیں کہ سرمایہ کاری کی ایک حد ہوتی ہے اس سے آگے یہ اثر پذیر نہیں ہوتی۔ حقیقت میں دولت چیزوں میں جدت پیدا کرنے کے لئے بڑھتی ہے' خواہ یہ سوئے بین کی اصلاح کا عام سا عمل ہو یا کمپیوٹر "چپ" جیسی کوئی بہت بڑی نئی اختراع۔ لہٰذا حکومتوں کو ٹیکسوں اور کھپت سے زیادہ نئی چیزیں ایجاد کرنے پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ رومر کا کہنا ہے ۱۸۰۰ء میں کانگرس نے زراعت کی ترقی کے لئے کالجوں کے ساتھ زمین مخصوص کر کے جو قدم اٹھایا تھا وہ ایک اچھی مثال تھی۔ تربیتی پروگراموں کو ترجیح دینا اس کے نزدیک سب سے اہم کام ہے۔OO

اس فکر میں کلیاں زرد ہوئیں، اس فکر میں غنچے سوکھ گئے
آئینِ گلستاں کیا ہوگا، دستورِ بہاراں کیا ہوگا!

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی اکتالیس سالہ پرانی تحریر

یہ مختصر تحریر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے ۱۹۵۴ء میں اسلامی جمعیت طلبہ کے پرچے "عزم" میں لکھی تھی، جب وہ اسلامی جمعیت طلبہ پنجاب کے ناظم اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے طالب علم تھے۔ اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کی نوعمری میں حالات پر نظر کس قدر گہری تھی اور ان کا تجزیہ کس قدر صحیح ثابت ہوا----(ادارہ)

ہو سکتا ہے کوئی صاحب طلباء کے پرچے میں بی بی سی رپورٹ کے متعلق پڑھ کر کہہ اٹھیں کہ طلباء کو خواہ مخواہ ان مسائل میں دلچسپی نہیں لینی چاہئے۔ یہ کام تو سیاسی جماعتوں کا ہے لیکن ہم اسے غلط سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ دستور کا مسئلہ اکابرین کے لئے اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنی خود طلباء کے لئے رکھتا ہے۔ یہ دستور صحیح معنوں میں تو طلباء ہی کے لئے بن رہا ہے کیونکہ آئندہ چند سال میں یہی آج کے طلباء آگے آنے والے ہیں۔ یہی دستور کو عملی جامہ پہنائیں گے اور یہی زمام حکومت کو اپنے ہاتھوں میں سنبھالیں گے۔

بی پی سی کی رپورٹ کے منظر عام پر آنے کا ایک نتیجہ نکلا ہے اور وہ یہ کہ اب ہمیں اچھی طرح سے معلوم ہو گیا ہے کہ "کون کیا ہے؟"--- اس رپورٹ کا جو ردعمل مختلف لوگوں کی طرف سے ہوا ہے۔ اس نے ہمیں واضح طور پر بتا دیا ہے کہ یہاں کس کس ذہنیت کے لوگ بستے ہیں۔ وہ کس انداز سے سوچتے ہیں، ان کے عزائم کیا ہیں؟ اور وہ ہمیں کس راہ پر لے جانا چاہتے ہیں!

اس رپورٹ نے دراصل ہمارے اکابرین کا نفسیاتی تجزیہ کر ڈالا ہے اور یہ چیز صاف صاف ہمارے سامنے لا رکھی ہے کہ اس ملک میں وہ لوگ بھی بستے ہیں جو رپورٹ پر اسلام، قرآن و سنت اور اس قسم کے چند نمائشی الفاظ دیکھ کر گھبرا اٹھے ہیں۔ اب ان کو ہر وقت یہ خیال کھائے جا رہا ہے اور ان کی تمام جدوجہد اس بات کے لئے صرف ہو رہی ہے کہ کسی طرح ملک کو اس راستے سے ہٹا کر جس پر یہ چل رہا ہے کسی اور راستے پر لگا دیا جائے۔ رپورٹ کے بعد کچھ واقعات نے یہ چیز عیاں کر دی ہے کہ ان کو یہ منظور ہے کہ ملک کو نقصان پہنچ جائے لیکن یہ منظور نہیں کہ یہاں اسلام کو کسی صورت میں گوارا کر لیں۔

اس کے علاوہ جس چیز کا عام چرچا ہے وہ ہے مشرقی اور مغربی پاکستان کی مساوی نمائندگی کا مسئلہ۔ صرف اس ایک مسئلہ کو جس قدر اہمیت دی جا رہی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں ساری بی پی سی رپورٹ میں اس ایک نقص کے علاوہ اور کوئی نقص ہی نہیں۔ لے دے کے بس یہی عیب ہے جو انہیں ملا ہے۔

☆--- پنجاب والے اس لئے ناراض ہیں کہ پنجاب کو حصہ کم ملا ہے۔

☆--- سندھ اور بلوچستان والے اس لئے برہم ہیں کہ انہیں تقریباً نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

☆--- سرحد والے شاکی ہیں کہ انہیں اہمیت نہیں دی گئی----اور

☆--- بنگال والے چیں بجبیں ہیں کہ انہیں ان کی نسبت سے کم حصہ ملا ہے۔

وہ خود غرضی اور تنگ نظری وہ تعصب اور صوبہ پرستی جو اب تک پنہاں تھی اب برہنہ ہو کر ہمارے سامنے آگئی ہے۔ ان میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نظریں سوچتے وقت کل پاکستان پر ہوں جو صوبائی اور علاقائی تعصب سے بالاتر ہو کر سوچ سکے۔ قائد اعظم پاکستان ان کے ہاتھوں میں ایک امانت اور مقدس میراث کی حیثیت سے چھوڑ گئے تھے لیکن یہاں مال غنیمت کی طرح لوٹ مچائی جا رہی تھی۔ ہر شخص اس میں سے زیادہ حصہ حاصل کر لینے کی فکر میں ہے اور ہر ایک کے سوچنے کا انداز کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اگر اسے حصہ کم ملا تو پاکستان کی بھی اسے پروا نہیں ہے۔

یہ نیک فال نہیں ہے ملک کی بدقسمتی ہے کہ یہاں خود غرضی اس حد تک پہنچ گئی ہے۔

اب یہ کہیں گے کہ مساوی نمائندگی کے مسئلہ کا اور کیا حل ہو سکتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ تمہاری کوئی تجویز کوئی تدبیر اور کوئی فارمولا اس مسئلے کو حل نہیں کر سکتا۔ اس کا صرف ایک حل ہے اور وہ ہے اسلام۔ لیکن تم نے کبھی اس حل کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ زبان سے خوب اسلام، اسلام کی رٹ لگائی جاتی ہے لیکن جب یہ تمہاری رہنمائی کرنا چاہتا ہے تو تم آنکھیں بند کر کے کسی اور طرف چل دیتے ہو۔

یہ سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ کتنے نمائندے کس علاقے سے لئے جا رہے ہیں جو بھی صالح نمائندے ہیں خواہ وہ کسی علاقے یا صوبے سے تعلق رکھتے ہوں وہ ہر پاکستانی کے نمائندے ہیں۔ کسی علاقے سے جتنے بھی نیک، خدا ترس، صالح اور قابل نمائندے مل سکیں انہیں وہاں سے حاصل کر لینا چاہئے۔

ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ اگر صالح اور قابل نمائندوں کی اکثریت بلوچستان سے حاصل ہو سکے تو پنجاب، بنگال، سرحد اور سندھ والوں کو قطع نظر اس کے کہ وہ ان کے ہم صوبہ نہیں ہیں انہیں اپنا نمائندہ منتخب کر لینا چاہئے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اگر اس اصول پر بنگال سے آنے والے نمائندوں کی اکثریت ہو جائے۔

دستور میں بجائے تناسب کو مقرر کر دینے کے اس چیز کا انتظام کرنا چاہئے کہ اس طریقے پر واقعی قابل ہستیاں سامنے آسکیں۔ کم از کم انتخاب کے معاملے میں پاکستان کو وحدت تصور کرنے کا انتظام کرنا چاہئے۔ نظم و نسق کے لئے صوبوں کی موجودہ تقسیم ہی قائم رکھی جا سکتی ہے۔OO

بنیاد پرستی کا الزام احیائے اسلام کا ردِ عمل ہے

اسلام اور مسلمان معاشرے کی اصل حقیقت سے چشم پوشی اور "بنیاد پرستی" کا نام دے کر اسے ایک ہولناک خطرے کی صورت میں پیش کرنے کی مہم خاصی کامیاب نظر آتی ہے۔ چنانچہ چند سال قبل اٹلی کے وزیر داخلہ نے بعض عرب ممالک کے تعاون سے بحیرۂ روم کے خطے میں دہشت گردی کے خلاف اپنے ایک منصوبے کا اعلان کیا تھا۔ ساتھ ہی فرانس کے ایک سابق وزیر خارجہ نے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا کہ مشرق وسطیٰ اور بحیرۂ روم کا علاقہ آئندہ سالوں میں انتہائی اہمیت اور خطرات کا حامل ہو گا۔ دیگر بہت سے ممالک اس سے بھی پہلے اپنے انہی خیالات کا اظہار کر چکے ہیں۔ یہاں تک کہ وسطی ایشیاء کی نو آزاد مسلم ریاستوں کے تمام سربراہان "مسلم بنیاد پرستی" کو مہلک خطرے سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن یہ ساری کاریگری اصل میں یہودیوں کی ہے اور یہ ماننا پڑے گا کہ ایسے کاموں میں انہیں بے پناہ مہارت حاصل ہے۔ انہوں نے علمی اور تحقیقی سطح پر خاصا کام کیا ہے اور ایسی "شہادتیں" لائے ہیں جن سے دنیا کو یہ باور کرایا جا سکے کہ کمیونزم کے بعد اسلام ہی آزادی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ صیہونیت کو جو کامیابی نصیب ہوئی ہے اسی کا اعجاز ہے کہ آج عالمی ذرائع ابلاغ کا سب سے اہم موضوع ہی یہ رہ گیا ہے کہ آزاد دنیا کو اسلام کے خطرے سے کیونکر محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ اسرائیلی دانش ور اور زعماء اٹھتے بیٹھتے یہ راگ الاپتے رہتے ہیں کہ یہ دراصل دنیا کو اسلامی بم سے بچانے کی سزا ہے جو ہم بھگت رہے ہیں۔ عراق کے جوہری پروگرام کا ہم نے پتہ چلایا تھا لیکن وہ اس پر کبھی بات نہیں کریں گے کہ آخر وجہ کیا ہے۔ آزاد ممالک ایسے ہی بے ضرر اور نوع انسانی کی بھلائی چاہنے والے ہیں تو انہیں ڈر کس بات کا ہے؟ لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ حال یہ ہے کہ اکثر مسلمان حکمرانوں کو بھی بنیاد پرستی سے خوف لاحق ہے اور وہ اسرائیل کو اپنا پشت پناہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اسلام خوف نہیں' سراپا امن ہے۔ دہشت گردی اور تشدد ان کا کیا دھرا ہے جو اس کا واویلا کرتے ہیں' اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ مسلم معاشرے میں بیداری کی جو لہر محسوس ہوتی ہے اس کا مقصد مسلمانوں کو اپنا بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے اور مغرب کے تسلط اور بے جا مداخلت سے انہیں آگاہ کرنا ہے۔ اس میں نہ تو کوئی ظلم کی بات ہے اور نہ کسی کی حق تلفی۔ سوال یہ ہے کہ مسلمان اگر اپنے ہاں اسلامی نظام قائم کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں اور اپنے بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تاکہ غیروں کی محتاجی سے نجات حاصل ہو تو مغرب کے معاشرے کو کہاں سے خطرہ لاحق ہو گیا۔ سعودی عرب میں ایک عرصے سے شریعت نافذ ہے۔ تو کیا اس نے یورپ کو فتح کر لیا ہے۔ اگر کسی دوسرے ملک میں اسلام کا نظام آتا ہے تو کیا عالمی طاقتوں کو اس ملک کے خلاف جنگ کا اعلان کرنا ہو گا؟

■ "اسلامی خطرہ" یہودی ذہن کی پیداوار ہے جس کا مقصد پوری دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنا ہے۔ مگر یہ قیامت تک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ انہوں نے ہمیشہ حق کی مخالفت کی ہے۔ جو لوگ بھی ان کے دھوکے میں آئیں گے' مارے جائیں گے' کیونکہ غلبہ بالآخر حق کو ہی حاصل ہوا ہے۔

(ڈاکٹر عبد القادر طاش)
چیف ایڈیٹر' المسلمون

اخذ و ترجمہ : سردار اعوان

تقسیم ہند
پاکستان
اور مسئلہ سندھ
ہر درد مند پاکستانی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے
قیمت ۲۵ روپے
ملنے کا پتہ : انجمن خدام القرآن
۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے
ہمارے تعلق کی بنیادیں
نبی اکرم کی اصل جلالت قدر اور عظمت شان کو کوئی نہیں جان سکتا، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ
"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"
ہمارے لیے اصل قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ
کیا ہم آپ کے دامن سے صحیح طور پر وابستہ ہیں یا نہیں
اس لیے کہ اسی پر ہماری نجات کا دارومدار ہے
اس اہم موضوع پر
ڈاکٹر اسرار احمد کی مختصر لیکن نہایت مؤثر تالیف
کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اس کو پھیلا کر تعاون علی البر کی سعادت حاصل کیجئے

عَنِ الحَارِثِ الاشعَرِی، قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ
"اٰمُرُكُم بِخَمسٍ"
بِالجَمَاعَةِ وَالسَّمعِ وَالطَّاعَةِ وَالهِجرَةِ وَالجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللهِ
(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد وجامع ترمذی)

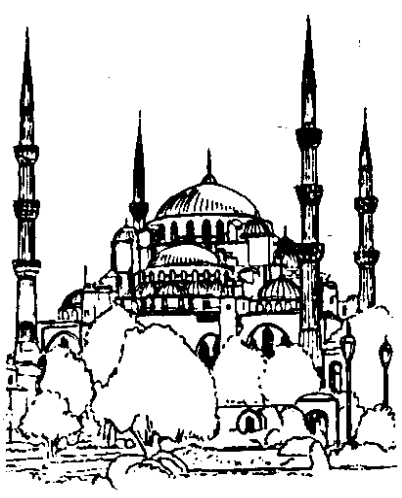

بقیہ : مسئلہ افغانستان

تک بیس ہزار افراد اپنی جان سے ہاتھ دھو چکے ہیں اور میرا اندازہ یہ ہے کہ یہ سلسلہ اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا جب تک اسلام دشمن طاقتوں کو پوری طرح یہ اطمینان نہیں ہو جاتا کہ یہاں اسلامی حکومت قائم ہونے کا اب خطرہ باقی نہیں رہا۔ لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کے بعد حکمت یار کا پتا بھی چاک کر دیا جائے گا۔ اس کا انہوں نے پہلے ہی اچھی طرح بندوبست کر لیا ہے۔ OO

بقیہ : مذاکرہ

اعتبار سے بھی ہمارا یہ پروگرام انتہائی کامیاب رہا ہے۔ ہمارے رفقاء نے انتہائی محنت سے انتظامی معاملات کو طے کیا۔ اس پروگرام میں حاضری بھی غیر معمولی تھی۔ ہمیں حاضری کے بڑھ جانے کی توقع تھی لہٰذا ہم نے قرآن آڈیٹوریم کے ساتھ پارک میں سارا پروگرام شارٹ سرکٹ کے ذریعے ایک بڑی سکرین پر دکھانے کا انتظام کیا تھا۔ مذکورہ پارک میں لگائی گئی تمام نشستیں بھر گئی تھیں' اس کے باوجود ہمارے بہت سے کرم فرماؤں نے یہ پروگرام کھڑے ہو کر ساعت فرمایا۔ پورے پروگرام کے دوران نظم و نسق بھی دیدنی تھا۔ ہم اپنے حاضرین کے اس تعاون پر ان کے شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو دین اسلام کی بہتری کے لئے نقطۂ آغاز بنا دے اور ہمارے زعماء کو نظام باطل کے خلاف یکجا ہو کر نبرد آزما ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ OO

بقیہ : کراچی کا ذمہ دار کون

کی انجام دہی میں مجرمانہ غفلت پر ان کا احتساب کیا جاتا' جبکہ نظریہ آ رہا ہے کہ انہیں عوام پر زیادتی کرنے کے لئے کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ سالہا سال سے کراچی میں موٹر سائیکل پر ڈبل سواری پر پابندی عائد ہے۔ کیونکہ مبینہ دہشت گرد موٹر سائیکل پر سوار ہو کر آتے ہیں اور فائرنگ کر کے فرار ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان دہشت گردوں کو پکڑنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ بجائے اس کے کہ یہ انٹیلی جنس ایجنسیاں اپنے فرائض کو بجا آوری کرتے ہوئے مجرموں کو گرفتار کرتیں' تمام موٹر سائیکل سواروں کو ڈبل سواری کے حق سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لاکھوں افراد کو دوسرے ٹرانسپورٹ پر تکیہ کرنا پڑتا ہے اور اس سے قوم کا وقت اور پیسہ بے دریغ ضائع ہو رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہلکاروں کے قتل ملیر اور الفلاح کے سارے باشندوں نے مل کر تو نہیں کیا۔ بلکہ یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہاں کے کسی باشندے نے یہ جرم کیا ہو۔ اخبارات کی اطلاع کے مطابق یہ لاشیں وہاں پائی گئی ہیں۔ عین ممکن ہے کہ مجرم انہیں کہیں اور قتل کر کے یہاں ڈال گئے ہوں۔ لہٰذا ان علاقوں کے باشندوں کو محصور کر کے جو سلوک ان کے ساتھ کیا گیا ظلم کے ہی زمرے میں آتا ہے' جس پر حکومت ان ایجنسیوں کے ذمہ داروں کو گرفتار کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اس کے برعکس وزیراعظم سمیت حکومت کے اکثر نمائندے ایجنسیوں کا دفاع کرنے میں مصروف ہیں۔ کیا کبھی غور کیا گیا ہے کہ ان تمام باتوں کا عوام پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ کیا انہیں کسی اسکیم کے تحت ملک سے بیزار کیا جا رہا ہے۔ کیا عوام کو دیوار سے لگا کر کوئی حکومت ملک کے مفاد کا تحفظ کر سکتی ہے؟ جو کچھ اس وقت کراچی میں ہو رہا ہے' یہی کچھ مشرقی پاکستان میں کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بنگالی جو تحریک پاکستان کا ہر اول دستہ بنے تھے' اپنے بنائے ہوئے اس گھروندے کو مسمار کرنے میں بھی سب پر بازی لے گئے۔ اس سارے عرصے میں انہوں نے کتنے کربناک ادوار دیکھے ہوں گے' یہ تو وہی جانتے ہیں۔ اندیشہ ہے کہ ایک جانب عوام کے ساتھ یہ سلوک اور دوسری جانب جناح پور یا لیاقت آباد کا حکومتی پروپگنڈا یہ ثابت کرتا ہے کہ موجودہ حکومت بھی یحییٰ خان کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ یحییٰ خان کو غلط راستے پر ڈالنے والے تو مبینہ طور پر ذوالفقار علی بھٹو تھے لیکن ان کی بیٹی کو غلط راستوں پر ڈالنے والے کون ہیں؟۔ یہ وہ سوال ہے جو اگر حل ہو جائے تو معاملات کا سارا تانہ بانہ خود بخود واضح ہو کر سامنے آ جائے گا۔ اس کے لئے ضرورت ایک دیانتدار قیادت کی ہے جو نہ حکومت میں پائی جاتی ہے' نہ اپوزیشن کی سیاسی جماعتوں میں' نہ متحارب گروہوں میں پائی جاتی ہے اور نہ حکومت کی کسی ایجنسی میں۔ اس کے لئے تو اہل وطن کو اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا جب تک کہ

ع "مردے از غیب بروں آید وکارے بکند"۔

اس وقت تک کے لئے ہم اپنے خالق حقیقی کے حضور پاکستان کو قائم و دائم رکھنے کی دعا ہی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ OO

بقیہ : حدیثِ امروز

بار چین بھی اس کا حریف نہ رہے بلکہ حلیف بن جائے۔ اس ممکنہ صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے امریکہ جو نئی بساط "نیو ورلڈ آرڈر" کے عنوان سے بچھا رہا ہے اس میں بھارت کو تو کلیدی مقام حاصل ہے تاہم ہمارا خانہ بھی وہ خالی نہیں چھوڑے گا۔ البتہ یہ بات ہمارے سوچنے کی ہے کہ اس بساط پر پیادے کے طور پر استعمال ہونا ہمارے مفاد میں ہے بھی یا نہیں اور اس طرح ہم عالمی سطح پر عزت و احترام کا کوئی مقام حاصل کر پائیں گے یا امریکہ کے تابع مہمل بن کر اپنے منفرد اعزاز و افتخار سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ پاکستان کو اعزاز و افتخار اپنے رب کے سایہ رحمت میں آ جانے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے جس میں اسلام کی سلامتی اور ایمان کا مثالی داخلی امن اسے میسر ہو گا۔ اسی صورت میں وہ کسی ایک یا دوسری عالمی طاقت کا حاشیہ نشین بن کر رہنے کے بجائے عالم اسلام کے منصب امامت پر فائز ہو سکتا ہے۔ ذرا یاد تو کیجئے' حصول پاکستان کی جدوجہد میں ہماری نظر کیا اسی ہدف پر نہیں تھی کہ "ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے' نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر" اور اس وحدت کا علم پاکستان کے ہاتھ میں ہو جو اسلام کے نام پر عالم وجود میں آنے والا دنیا کا واحد ملک ہے۔ OO

بقیہ : اداریہ

دیا ہے اور تعلیم یافتہ طبقے میں دین اور اہل دین سے بیزاری تیزی سے بڑھ رہی ہے جو بہرحال ہمارے معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ ضرورت ہے کہ دین ومذہب کے لئے کام کرنے والے انا کے حصار سے باہر نکلیں' صرف اپنی بھیڑیں سنبھالنے کی فکر میں دبلے نہ ہوں' مسلکی اختلافات کو اسی مقام پر رکھیں جس سے فی الحقیقت ان کا تعلق ہے اور فرقہ واریت کے زہر کا تریاق تلاش کریں۔ اور بہت خوب فرمایا اسی نشست میں ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک نے کہ فرقہ واریت کا توڑ اقامت دین ہے۔ اس محنت میں لگ جایئے تو فرقہ واریت از خود ہوا میں تحلیل ہو جائے گی۔ OO

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سلا دیتی ہے اس کو حکمراں کی ساحری

—— اقبالؔ

پریس ریلیز

حقائق کے واضح ہو جانے کے باوجود قوم سوئی ہوئی ہے!

امریکہ کے مفادات کا تحفظ پاکستان سے زیادہ انڈیا بہتر انداز سے کر سکتا ہے

گوادر، کشمیر اور ایٹمی پروگرام پر خفیہ سودے بازی ہو چکی ہے؟

چین اور ایران کو کنٹرول کرنے کے لئے گوادر کا علاقہ بہترین ثابت ہو سکتا ہے

امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا مسجد دارالسلام میں اجتماع جمعہ سے خطاب

لاہور - ۱۳ / جنوری :- گوادر کا علاقہ سلطان قابوس کو فروخت کر دینے کا حکومتی اعتراف ان بہت سے شکوک و شبہات کو تقویت دیتا ہے کہ بعض حساس ملکی معاملات پر جن میں ایٹمی پالیسی اور کشمیر کا مسئلہ سرفہرست ہیں' درپردہ سودے بازی جاری ہے اور "خاموش ڈپلومیسی" رفتہ رفتہ اپنا اثر دکھا رہی ہے حالانکہ اس سے پہلے حکومتی ذرائع کی جانب سے بڑی شد و مد کے ساتھ تردید کی جاتی رہی ہے کہ نہیں' گوادر کا علاقہ کسی دوسرے ملک کے ہاتھ فروخت کرنے کی ہرگز کوئی بات نہیں ہو رہی۔ لیکن اب یہ کہہ کر کہ ملک کے کسی حصے کو دوسرے کسی ملک کو پٹے پر دینا یا فروخت کرنا کوئی غیر معمولی بات نہیں' آہستہ آہستہ راز سے پردہ اٹھایا جا رہا ہے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ سلطان قابوس کے پردے میں اصل "کابوس" کون ہے۔ امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے ان خیالات کا اظہار آج مسجد دارالسلام میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر حیران کن ہی نہیں تشویشناک بھی ہے کہ اچانک پاکستان اس درجے کیوں اہمیت اختیار کر گیا ہے کہ ایک ہی وقت میں برطانوی وزیر خارجہ' پھر امریکی وزیر دفاع اور ان کے پیچھے رابن رافیل صاحبہ بھی چلی آ رہی ہیں۔ "الٰہی خیر میرے آشیاں کی - زمیں پر ہیں نگاہیں آسماں کی"۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ امریکہ کی اصل دلچسپی کا مرکز کہاں ہے اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ پاکستان سے ہو کر بھارت پہنچتے ہی امریکی وزیر دفاع صرف ۴۵ منٹ کے مذاکرات کے دوران بھارت کے ساتھ دفاعی معاہدہ پر دستخط کر دیتے ہیں۔ اس لئے کہ امریکہ کی آئندہ پالیسی میں پاکستان سے زیادہ انڈیا فٹ ہوتا نظر آتا ہے۔ جب تک امریکہ کے مقابلے میں روس ایک عالمی قوت کی حیثیت سے موجود تھا اس نے پاکستان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا اور ہم پر نوازشات کی بارش کر دی۔ روس کا شیرازہ بکھرنے کے بعد امریکہ کی پاکستان میں دلچسپی ختم ہو گئی ہے اور اب امریکہ کا فوری ہدف چین ہے جسے نکیل ڈالنے کے لئے انڈیا کو استعمال کرنا اور اس کے ساتھ دفاعی معاہدات کرنا غالباً ان کی ترجیح اول ہے۔ یوں تو پاکستان کی حیثیت آج بھی اگرچہ سوائے ان کے ایک آلہ کار کے کچھ نہیں' مگر اس کا مسلمان ملک ہونا چونکہ نیو ورلڈ آرڈر کے لئے خطرہ کا باعث ہو سکتا ہے اس لئے اس پر ہر طرف سے قافیہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ چین کے بعد اگر کوئی ملک امریکہ کا ہدف ہو سکتا ہے تو وہ ایران ہے۔ اس مقصد کے لئے گوادر کا علاقہ امریکہ کا ایک بہترین اڈا ثابت ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ روس کے خاتمے کے بعد اب گویا امریکہ کی ساری توجہ چین کو زیر کرنے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنا تابع مہمل بنانے پر مرکوز ہے۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ چین کو مسلم دنیا سے دور رکھا جائے اس لئے کہ انہیں خطرہ ہے کہ چین اور مسلم ممالک اگر ایک دوسرے سے قریب آ گئے تو وہ نیو ورلڈ آرڈر کے لئے خطرناک چیلنج ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کو ختم کرنے کی راہ پر لگا دیا جائے۔ یہ ان کی پالیسی کا حصہ ہے جس کا مظہر یہ ہے کہ پاکستان میں فرقہ واریت اور اس میں تشدد کا رجحان یکدم شدت اختیار کر گیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے نہایت افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان تمام حقائق کے باوجود مسلمانوں' خصوصاً ہم پاکستان کے مسلمانوں کے ہوش میں آنے کے بظاہر کہیں کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ حالانکہ اس وقت ہم اللہ کے عذاب کی گرفت میں ہیں۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے' نفرت اور کینہ پروری انتہا پر پہنچ چکی ہے۔ یہاں تک کہ ایک طبقہ پاکستان اور اس کی افواج سے اسی طرح کھلم کھلا نفرت کا اظہار کر رہا ہے جس طرح ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کے مسلمان کر رہے تھے۔ یہ ہماری بدعہدی کی سزا ہے جس کے باعث آج ہم نفاق باہمی میں مبتلا ہیں۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کے دامن سے وابستہ نہیں ہوتے اور یہاں اسلامی نظام نافذ کر کے اس عہد کو پورا نہیں کرتے جو قیام پاکستان کے وقت ہم نے اللہ سے کیا تھا اس وقت تک بہتری کی توقع نظر نہیں آتی۔ ○○

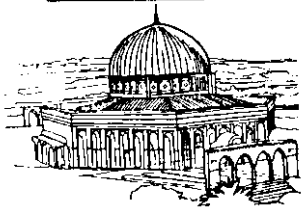

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

کراچی کے حالات مشرقی پاکستان کی صورت حال اختیار کرتے جا رہے ہیں

"روزنامہ ڈان" میں امیرِ تنظیم اسلامی کی پریس کانفرنس کی رپورٹنگ

موجودہ ڈویژنوں کے طرز پر نئے صوبے بنانا وقت کی اہم ضرورت ہے

Dr Asrar sounds a note of warning on Sindh situation

By Our Staff Reporter

KARACHI, Jan 3: Dr Asrar Ahmad, Amir of Tanzeem-i-Islami Pakistan, on Tuesday advised the "people at the helm of affairs not to ignore ground realities and take corrective steps before it is too late".

Equating the present situation in Sindh particularly Karachi with former East Pakistan, he pointed out that the sense of deprivation led to its secession from Pakistan exactly 25 years — according to lunar calendar — after independence and now when there are again a quarter-and-one-year are left for the completion of this period according to the same calendar, the situation in Karachi called for attention.

Dr Asrar Ahmad, who is here "to create awareness among people to return to Allah by enforcing Islam in their life and to strive for pan-Islamism", was addressing a press conference at Karachi Press Club on Tuesday afternoon.

Lamenting over the increasing corruption among the rulers, he recalled the history of the creation of Pakistan and its different phases till today and said: "We lost East Pakistan because we violated the pledge of enforcing Islam in the country and for a long time there remained a constitutional vacuum which helped in uprooting the Muslim League so much so that in 1954 elections Jugtu Front secured all but 10 of the 300 seats of the assembly.

Ayub Khan's martial law and shifting of the capital from Karachi to Islamabad were termed by Shaikh Mujib-ur-Rehman as "beginning of the end".

Due to politics of "*munafirat* and *munafiqat*" the people in East Pakistan were fed up and used to say that they did not secured freedom from the British to become slave of the Punjabis.

Dr Asrar Ahmad said that the present situation in Sindh was no different from what it was in East Pakistan before it took a violent turn. He said, "No doubt there is peace in rural areas as compared to urban areas. It is because the Pakistan People's Party is in power. But it is only a matter of time before it takes an ugly turn."

Pointing out that when Prime Minister Benazir Bhutto said that even a Urdu-speaking person could become the chief minister of the province, her assertion drew a sharp reaction from a section of politician, including G. M. Syed.

The Tanzeem-i-Islami chief said that while the rulers had no objection in creating new districts and divisions, they were not ready to listen to the demand of creation of administrative provinces.

Pleading for creating small provinces, instead of the present ones "which were the creation of the British rulers", Dr Asrar said the problems of urban Sindh, particularly Karachi, could not be solved through mere announcements of economic packages as the crux of the matter was political power sharing and not packages.

In reply to a question, he said holding of local bodies elections would not solve the problem either as the time is now past when it could have satisfied the Urdu-speaking population.

He said when MQM took over Karachi Metropolitan Corporation and asked for having authority over Karachi police and the vehicle tax, the matter could have been resolved.

He said whether one accepts the fifth nationality or not it was now a political reality.

Dr Asrar Ahmad said new provinces could be carved out on the basis of the present divisions in each province or through declaring each area having a 10 million population as a province.

He said if Mohajirs were not given a separate province, the country could face another crisis.

He said heaven would not fall if 10 or 12 provinces were created instead of the present four.

Calling for adoption of presidential form of government, which according to him is closer to *Khilafat*, he said, "The parliamentary system of governance does not suit us."

He also proposed a two-point agenda to wriggle out of the present imbroglio: at the individual level, people should look towards Allah to seek forgiveness for violation of the pledge of enforcing Islam in their life, while at the national level, steps should be taken to make Qur'an and Sunnah the supreme rule.

Pan-Islamism be made the corner-stone of the foreign policy and Arabic be declared as the official language in place of English, he said.

In reply to a question, he said although he disagreed with the extremist strategy of Maulana Soofi Mohammad for enforcing the Shariat, he praised his dedication and honesty of purpose.